

پیامعرفات

رائے بریلی

ماہنامہ

سوائٹی کاروگ

”اگر کسی ملک میں کسی برا دری کا فرد پہنچ جاتا ہے تو سارے ملک کو اپنی برا دری کے لوگوں سے بھردیتا ہے، اور اس میں کسی اہمیت اور نا اہمیت اور غیر متحقق اور غیر متحقق کا لحاظ نہیں رکھتا، ہماری سوائٹی کا یہ وہ روگ ہے جو اسے گھن کی طرح کھا رہا ہے، اور جس نے تمام انتقامیہ کو کھو کھلا اور کمزور بنادیا ہے۔“
حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی



مركز الإمام أبي الحسن الندوبي
دارعرفات، تکيہ کلال، رائے بریلی

JAN 17

₹ 10/-

ملت کی تعمیر میں ہمارا حصہ

ایسی نمایاں اور محلی ہوئی تبدیلی کرنی چاہیے کہ اس کو دیکھنے والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں اور ان کے دل میں بھی شوق پیدا ہو کہ وہ اس نعمت میں شریک ہوں، ایک بے کار اور معطل قوم کے بجائے جو تمباویں کی دنیا میں رہتی ہے، ملت کے ہر فرد کو فعال و تحرک، کسی نہ کسی کارخیز میں مشغول و منہک، خلق خدا کا ہمدرد ہونا چاہیے، اس کو باہمی ناقابلیوں، اختلافات سے بھیشہ کے لئے فرصت پا کر جان و دول کے ساتھ اسلام کی دائی، عالمگیر و آفاقی اور اخلاقی و انسانی بنیاد پر ملت کی تعمیر نو میں لگ چانا چاہیے، جن ہاتھوں نے کسی زمانہ میں بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، وہی ہاتھ آج پوری انسانیت کی تعمیر کر سکتے ہیں لیکن یہ کام انہیں مسلمانوں کے ہاتھ انعام پا سکتا ہے جو اپنی ذمہ داری اور اس فرض منصبی کو اچھی طرح پہچانتے ہوں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو سرفراز فرمایا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی درستی ساری ملت کی درستی ہے، ملت کی درستی کا انتظار چھوڑ کر اب ہمیں خود اپنی درستی میں لگنا چاہیے، یہی ملت کی اصلاح اور تعمیر و ترقی میں ہمارا صحیح حصہ ہے۔

انسان کی فطرت وہی ہے جو پہلے تھی، غلوص، محبت، خدمت، ہمدردی، پاکیزہ کردار اور اچھے اعمال آج بھی اس کی نگاہ میں اسی طرح قابلِ احترام ہیں جس طرح پہلے تھے، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے بازار اور نیلام کی اس منڈی میں جہاں اصول و کردار کوڑیوں کے مول فروخت ہوتے ہیں، وہاں اب ان چیزوں کا کوئی خریدار نہیں، لیکن حق تو یہ ہے کہ سو داجتنا کم ہوتا ہے اس کی اہمیت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے، آج پوری انسانیت اس آب حیات کے ایک ایک گھونٹ کو ترس رہی ہے، اگر مسلمان آگے بڑھ کر اپنے قول و عمل، سیرت و کردار سے اپنے اس مکمل اور دلکش امن کا صحیح مظاہرہ کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آج یہ نئے شفاء ہماری جان نوازی اور مسیحیت سے انکار کر دے۔“

مولانا سید محمد الحسنی

”مسلمانوں کی ذمہ داری اس ملک میں نعروں، تمباویں اور خواہشوں سے کہیں زیادہ بلند اور نازک ہے، اگر وہ اپنی زندگی سے اسلام کا نام صرف اپنی مطلب براری کے لیے استعمال کرتے رہے تو ان کو بڑی سے بڑی طاقت اور بڑی سے بڑی حکومت بھی نہیں پہنچ سکتی، اگر کوئی اسلامی ملک اس معاملہ میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو بھی بتاہی سے دوچار ہونا پڑے گا، اللہ تعالیٰ کا کسی خاص ملک اور قوم سے رشتہ نہیں، اس نے کسی قوم سے محض وطنی اور قومی بنیاد پر کامیابی اور سرفرازی کا کوئی وعدہ نہیں کیا، اس کا صاف اعلان ہے: ”نہ تمہاری امیدوں سے کچھ ہونے والا ہے نہ اہل کتاب کی، جو برائی کرے گا وہ اس کا پدلہ پائے گا“ (نامہ۔ ۱۲۳) اس کی نصرت کا اگر وعدہ ہے تو صرف ایمان اور عمل صالح پر، اس کے لیے اگر ہم حالات میں تبدیلی کے آرزو و منداور عزت و سلامتی کے خواہش مند ہیں تو ہمیں اس سید ہے راستہ پر چلنا ہوگا، جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بھیشہ، بھیشہ کے لیے تجویز فرمایا ہے، وہ راستہ یہ ہے کہ ہم ذمہ دار اور شریف انسانوں اور سچے کپکے مسلمانوں کی طرح زندگی گذاریں اور شریعت و سنت کی رہنمائی میں اپنی زندگی کی ان تمام خامیوں کو دور کریں جو ایک مسلمان کی زندگی سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں، خاص طور پر ان خامیوں اور کمزوریوں کو جن کی وجہ سے غیر مسلم، اسلام کی صاف، روشن اور پاکیزہ تعلیمات سے بذریعہ ہو رہے ہیں۔

یہ خامیاں اور کمزوریاں وہ غلط اور غیر اسلامی رسم و رواج اور عادات ہیں، جو ہمارے معاشرہ میں گھر کر پھیلی ہیں، بد خلائق، بد معاملگی، وعدہ خلافی، بد عہدی، اسراف، فضول خرچی، ظلم و ناالنصافی اور رسوم و بد عادات، اس طرح کی اور دوسری چیزوں ہیں جن سے نہ صرف ہمارے متعلق بلکہ اس سے بڑھ کر اسلام کے متعلق غیر مسلموں کے ذہنوں میں بہت غلط تصوری قائم ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر فرد کو اپنی زندگی میں

اردو اور هندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

ماہنامہ

مرکز الامام أبي الحسن الندوی دارعرفات تکمیل کال رائے بریلی (یوپی)

شمارہ: ۱

جنوری ۲۰۲۱ء

جلد: ۹

سرپرست: حضرت مولانا محدث راجح شیخ ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگران: مولانا محمد واسع رشید شیخ ندوی مدظلہ (جزل سکریٹری دارعرفات)

کامیابی کی کنجی

”اس وقت ہندوستان میں مسلمان اور اسلام ایک نازک دور سے گذر رہے ہیں اور یہ دین اجنبی اور مسافر کی حیثیت میں ہے، جیسا کہ حدیث شریف ”بدأ الاسلام غربیاً ثم يعود غربیاً فطوبی للغرباء“ میں پیشیں گوئی ہے، اس لیے اس وقت جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہے، اور نعرہ بازی سے زیادہ صبر و استقامت کی ضرورت ہے، اور ارشاد ربانی: ﴿إِنَّمَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَسْتَعِينُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ پر عمل اور اس کے استحضار کی ضرورت ہے، کتاب و سنت سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے لیے دینی اور دنیاوی امور میں کامیابی کی بخشی صرف صبر اور صلوٰۃ ہے، آنحضرت ﷺ کا عمل مبارک ایسا ہی رہا ہے، اظہار جوش و خروش اور صبر و استقامت کے بجائے محبت پسندی اور بے اعتمادی سے کوئی مقصد نہیں حاصل ہوتا ہے، خاص طور پر مسلمانوں کے دینی اجتماعی معاملات میں محبت پسندی اور بے اعتمادی انتشار اور اختلاف کا سبب بنتے ہیں، اور صحیح دینی مقصد کے حصول کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوتے ہیں۔“

مقرر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسني ندوی

مفتقی راشد حسین ندوی

عبدالحسان ناخدا ندوی

محمود حسن حسني ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نقیس خاں ندوی

کمپیوٹر کتابت

محمد ارمغان بدایوی ندوی

سالانہ زر تعاون ن-100

Mail: markazulimam@gmail.com

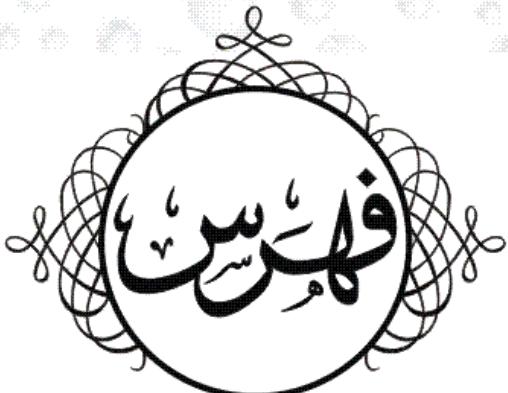
نی شمارہ:- Rs.10/-

پر پڑھ پاشر محسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبد اللہ خاں، بیڑی منڈی، اشیش روڈ، رائے بریلی سے طبع کر اکروفرز ”پیام عرفات“ پر کریم رضا محسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبد اللہ خاں، بیڑی منڈی، اشیش روڈ، رائے بریلی سے شائع کیا۔
www.abulhasanalnidwi.org

بُشْر بُشْر کا سلام پہنچے

نتیجہ فکر:- شاہ سید نصیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

اللہی محبوب کل جہاں کو
دل و جگر کا سلام پہنچے
نفس نفس کا درود پہنچے
نظر نظر کا سلام پہنچے
بساط عالم کی وسعتوں سے
جهانِ بالا کی رفتتوں سے
ملکِ ملک کا درود اترے
بُشْر بُشْر کا سلام پہنچے
زبان فطرت ہے اس پر ناطق
بپار گاہِ نبی صادق
شجر شجر کا درود جائے
حجر حجر کا سلام پہنچے
رسول رحمت کا بار احسان
تمام خلقت کے دوش پر ہے
تو ایسے محسن کو بستی بستی
نگر نگر کا سلام پہنچے
میرا قلم بھی ہے ان کا صدقہ
میرے ہنر پر ہے ان کا سایہ
یہ انجا ہے کہ روزِ محشر
گنہگاروں پر بھی نظر ہو
شفع امت کو ہم غریبوں کی
چشمِ تر کا سلام پہنچے
نصیس کی بس دعا بھی ہے
فقیر کی اب صدا بھی ہے
سوا د طیبہ میں رہنے والوں کو
عمر بھر کا سلام پہنچے



- | | |
|---------|---|
| ۳..... | رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے! (اداریہ) |
| | بلال عبدالحی حسni ندوی |
| ۴..... | صبر و تقوی کا پیکر مثالی |
| | حضرت مولانا سید محمد راجح حسni ندوی مدظلہ |
| ۶..... | تبیغ و دعوت - انسانیت کی میجانی |
| | مولانا ذاکر سعید الرحمن عظی حسni ندوی |
| ۸..... | طہارت کے مرحل |
| | مولانا سید عبد اللہ حسni ندوی |
| ۱۰..... | قرآن مجید کے حقوق |
| | بلال عبدالحی حسni ندوی |
| ۱۲..... | باعث خیر و برکت اکاہ |
| | مولانا عبد الکریم پارکیج |
| ۱۳..... | سنن غیر مؤکدہ اور نوافل |
| | مشتی راشد حسین ندوی |
| ۱۷..... | اللہ پر ایمان |
| | محمد ارمغان بدایوی ندوی |
| ۱۸..... | ایک مظلوم قوم - اراکان کے مسلمان |
| | محمد نصیس خاں ندوی |
| ۲۰..... | خاک و خون کا منظر |
| | ابوالعباس خاں |

مدیر کے قلم سے

رگوں میں وہ ہبھائی نہیں ہے

بلال عبدالحی حسینی ندوی

یورپ و امریکہ اور اسرائیل ایک مثلث ہے، جس کا سب سے بڑا مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا اور اسلام سے ان کے رشتہ کو ختم کرنا ہے، جس کے لیے وہ ہر طرح کے وسائل استعمال کر رہے ہیں، بات کوئی نہیں ہے، صیلی چنگوں میں شکست کے بعد سے فکری جملوں کی یلغار ہے اور مسلمان غیر شوری طور پر اس کا شکار ہو رہے ہیں، اور خاص طور پر مسلمان نوجوانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، ان کی تو اتنا بیان برپا دکرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، تاکہ وہ کسی قابل نہ رہیں اور اس طرح امت اسلامیہ کا مستقبل تاریک ہوتا چلا جائے۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے تمام ترویج وسائل کے ساتھ اپنے عمل میں پر جوش ہیں اور ان کی مسلسل محنت جاری ہے اور ہم ہر طرح کی تہی داشتی کے باوجود غفلت کا شکار ہیں، مسلمان نوجوانوں کی رگوں میں لگتا ہے خون خشک ہو گیا ہے، ان کو ذرا بھی اس سازش کا احساس نہیں، وہ اپنی رنگ رویوں میں ایسے مست ہیں کہ ان کو ذرا بھی خیال نہیں کر ان کی گاڑی کس ڈھلوان پر پڑ گئی ہے، اور آگے کس چٹان سے ٹکرانے والی ہے۔

دین جب آیا تھا تو کسپری کے حال میں تھا، لیکن نئے خون نے اس میں ایک ایسی تو اتنا تھی کہ دنیا میں بڑی بڑی طاقتیں کو جھکنا پڑا، وہ حضرات صحابہ تھے جن کے آگے بڑی بڑی چٹا نہیں تو وہ خاک ہو کر رہ گئیں، ان کے جذبہ ایمانی اور جہد مسلسل نے دنیا کی کوئی بدل ڈالی، وہ رہبان باللیل و فرسان بالنہار کا مصدق تھے، راتوں کو اللہ کے سامنے رونے والے اور دن میں مسلسل محنت کرنے والے، دنیا کی کوئی طاقت ان کے سامنے نک نہ سکی، اور آج حالت ہے کہ مسلمان کا سہ گدا تی لیے کھڑے ہیں، کوئی اس میں روٹی کا ایک لکڑا اڑال دے، مسلمانوں کو اللہ نے لوگوں کا سہارا بنا یا تھا، ان کو دینے کے لیے پیدا کیا گیا تھا، ان کے پاس جو نظام زندگی تھا مردہ دلوں کے لیے آب حیات تھا، نوجوان خود اس سے محروم ہیں، یہ حالت یکساں نظر آتی ہے، حدیہ ہے کہ دین دار حلقوں میں، مدارس کی چہار دیواری میں بھی ایک مایوسی کی فضائی نظر آتی ہے۔

اٹھائیں مدرسہ و خانقاہ سے نمنا ک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ زگاہ

شاعر مشرق علامہ اقبال نے نوجوانوں کو جھنجورنے کی کوشش کی ہے:

کبھی اے نوجوان مسلم تدبیر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان نوجوانوں سے اپیل کی ہے اور اپنی معرکتۃ الاراء کتاب ”ماذہ خسر العالم بانحطاط المسلمين“ میں دکھایا ہے کہ مسلمانوں کے زوال سے دنیا نے کہاں کہاں ٹھوکریں کھائی ہیں، اور اب وہ تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، کوئی اگر اس کو سنبھال سکتا ہے تو وہ امت مسلمہ ہے۔

آج اس امت کے نوجوانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ حقائق پر غور کریں، اپنی زندگی کو بد لئے کی کوشش کریں، اپنی ذمہ داری کو محسوں کریں، اور دنیا کو وہ آب حیات پیش کریں جو ان کے پاس ایک امانت ہے، دنیا کی یہ ضرورت اگر پوری نہ کی گئی تو وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے کربستہ ہے، وہ حیات ابدی کی نعمتوں سے محروم ہے اور اس دنیا کا سکون بھی اس کو حاصل نہیں، یہ سکون اس کو جہاں سے مل سکتا تھا وہ راستے ہم مسلمانوں نے بند کر کے ہیں، اور اپنی زندگی ایسی بنا لی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی ایک بہت بھی ایک تصویر لوگوں کے سامنے ہے اور دنیا آب حیات کو زہر ہاں کا پیالہ سمجھ رہی ہے، مسلمانوں کی عزت کا راستہ بھی ہے کہ وہ خود بھی اس آب حیات سے فائدہ اٹھائیں، جو ان کو ان کے نبی سے حاصل ہوا ہے اور دنیا کو بھی سکون وایمان کا وہ تحفہ پیش کریں جو دنیا و آخرت کی نجات کا تھا راستہ ہے۔

صہر و لفظی کا پیغمبر مثاںی

حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی مدظلہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، ان کا پورا خاندان نبیوں کا خاندان تھا، ان کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اللہ کے نبی اور برگزیدہ بندہ تھے، حضرت یوسف علیہ السلام بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ہیں، وہ بھی نبی ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ وہ شریف ہیں، کیونکہ ان کے والد بھی نبی، ان کے دادا بھی نبی، گویا ان کا پورا گھرانہ اور تک نبی رہا ہے، اس مبارک خانوادہ پر اللہ تعالیٰ کی بیش بہاعقیلیں نازل ہوئیں، ان کو دنیا میں بلند مرتبہ حاصل ہوا، اس احسان عظیم کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کے جو دوسرے بیٹے تھے، انہوں نے انعامات الہیہ کی قدر نہ کی، اور کسی حد تک ان کے اندر حب مال وجاه کا مرض سراہیت کر گیا، کب وحدت ان کی طبیعت میں شامل ہو گیا، دنیا دار لوگوں کی تمام باتیں ان میں پائی جانے لگیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے یوسف و بنیامین دوسری بیوی سے تھے، اور اس کے علاوہ تمام بیٹے دوسری بیوی سے تھے، ان تمام میں سب سے خوبصورت و ذہین اور نجیب بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے، اسی لیے تمام بیٹوں کے مقابلہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی ان سے خاص تعلق تھا، ہمیشہ ان کی فکر رکھتے، اپنی نگاہوں سے کسی لمحہ دور نہ ہونے دیتے، حضرت یوسف علیہ السلام پر ان کے والد کی غیر معمولی شفقت، ان کے دوسرے بھائیوں کے لیے باعث حسد بن گئی، اور ان کو یہ بات رہ کرستا نے لگی کہ آخر ہم یوسف سے زیادہ طاقتور خدمت کرنے میں آگے ہو سکتے ہیں تو ہم کو یہ مقام کیوں کر حاصل نہیں ہوتا، یہی سب باتیں ان لڑکوں نے اپنے والد کو سمجھانا چاہیں، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بات پر ذرا بھی کان نہ دھرا، چنانچہ ایک دن انہوں نے یہ پلانگ کی کہ کسی

بہانے یوسف کو بیہاں سے لے کر چلا جائے اور ان کو غائب کر دیا جائے تا کہ یہ ساری قرابتیں ہم کو حاصل ہو سکیں، کیونکہ جب یوسف ہی نہیں رہیں گے تو خدمت کا راجحی ہمارے سوا کون ہو گا، اس لیے یہ خیال کیا کہ ان کو کسی کے ہاتھ غلام بنا کر بچ دیں گے۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے اس طرح کتوں میں ڈالا کہ وہ کتوں کے اندر بنے ہوئے ایک طاق میں بیٹھ گئے، ان کی نیت یہ تھی کہ اس طرح ڈالنے سے اگر کسی قافلہ نے بیہاں سے گزرتے ہوئے پانی پیا، اور یہ برا آمد ہوئے تو وہ ان کو اپنا غلام بنا لیں گے، اس وقت ہم ان کے دعویدار بن کر کھڑے ہوں گے اور ہمیں گے کہ یہ ہمارا غلام ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ وہاں سے ایک قافلہ کا گذر ہوا، اور انہوں نے ڈول میں پانی کے بجائے بچہ دیکھا، ادھر ان کے بھائی ہمہ وقت تاک میں رہتے تھے، جب ایسا ہوا تھیجی وہ لوگ فوراً مدعی بن کر کھڑے ہو گئے، اس پر قافلہ والوں نے ان کو کچھ مقدار میں پیسے دیئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر آگے روانہ ہوئے، چونکہ قافلہ والوں کو بھی اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں کوئی اور مدعی نہ مل جائے، اس لیے ان کو مناسب معلوم ہوا کہ انہیں نہیں بچ دیا جائے، لہذا مصر کے بازار میں آپ کی بولی لگائی گئی، اتفاق کی بات کہ عزیز مصر کو اس وقت ایک غلام کی ضرورت تھی، اس کے نمائندے بھی اس بازار میں موجود تھے، جب ان کی نظر ایں حسین و جمیل بچے پر پڑی، جس کے چہرہ سے شرافت جھلک رہی تھی تو انہوں نے ان کو خرید لیا اور اپنے گھر غلام بنا کر لے آئے۔

بھائیوں کے حسد نے ان کو کتوں میں میں دھکیلا، اور کتوں کی تاریکیوں کے بعد غلامی کا طوق پڑ گیا، مگر ان سب واقعات سے اللہ رب العزت کا مقصود یہ تھا کہ آپ تمام دشوار مراحل سے گذر نے کے بعد ایک قابل تقلید ہستی بن سکیں، عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اگر ان کو گھر میں رکھا جائے تو بہت اچھا ہو، ہم ان کو اپنے بیٹے کی طرح رکھیں گے، چنانچہ اس طرح غلامی کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام قصر شاہی میں پورے امن و سکون کے ساتھ رہے، مگر مشکل اس وقت پیش آئی، جب عزیز مصر کی بیوی نے آپ کے ساتھ غلط ارادہ کیا، تمام دروازے بند کر کے ان کو دعوت بد دی، مگر حضرت یوسف با وجود

ازماں کے جن مراحل سے گذارا گیا ہے، ان کے متعلق یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک نبی ہر طرح کے حالات کا سمجھنے والا بن سکے، چونکہ انسانی معاشرہ میں ہر طرح کی نفیات اور ہر طرح کے حالات سے متاثر لوگ ہوتے ہیں، ان میں امیر، غریب، پتیم، شریف، طالم، چور، جمال، عالم ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں، اور انہیاً کرام کو ان تمام مختلف النوع لوگوں کو اس چیز کی طرف لے جانا ہوتا ہے جو چیز مشاہدہ میں نہیں ہے، نہ ہی اس پر ان کا کوئی بظاہر دنیوی فائدہ موقوف ہے، بلکہ اس کا تعلق محض ایمان بالغیب اور یقین کرنے سے ہے، صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی غلط عادات کو چھڑانا ہوتا ہے، نفسانی خواہشات کے خلاف عمل کرانا ہوتا ہے، اپنی بات پر بھروسہ دلا کر ایک اللہ کی مرضیات کے مطابق زندگی کو چلانا ہوتا ہے، اس لیے ایسا مشکل کام کرنے سے قبل انہیاً کرام علیہم السلام کو لوگوں ہی کے سامنے ان تمام مراحل سے گذارا جاتا ہے، جن کے بعد اگر یہ حضرات اپنی کوئی بھی بات جس طبقہ کے لوگوں کے سامنے پیش کریں تو وہ اس کو قبول کرنے میں تردید نہ کریں، یہ انسانی عقل میں آنے والی بات بھی ہے کہ انسان اسی کی بات پر یقین کرتا ہے جس کا کوئی تجربہ ہو، کوئی عام راہ گیر جس سے کوئی واقفیت بھی نہ ہو، گرچہ بڑے بڑے دعوے کرے، مگر لوگ اس کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گے، یوں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کی بے شمار آیات افس و آفاق میں بکھری ہوئی ہیں، مگر حالات کے خراب ہونے اور شیطان کی ملجم سازیوں کے نتیجہ میں بسا اوقات انسان کی آنکھوں پر ان سب حقائق کی طرف سے پرده پڑ جاتا ہے، جس کو ہٹانے کے لیے انہیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تجربات کے مراحل سے گذار کر ان کے ذریعہ ایسے بیٹھ و پر زور انداز میں حق بات پہنچادیتا ہے کہ حق سے گریز کرنے والوں کے خلاف صاف طور سے جنت قائم ہو جائے، اسی لیے قرآن مجید میں بہت وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بیان کر دی گئی ہیں، سمندروں میں کشتیوں کا چلننا، سورج چاند کا لکھنا، بخوبی میں سے غلہ پیدا ہو جانا، یہ سب وہ علامات ہیں جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی ذات ضرور ہے جو ہر چیز کو عدم سے وجود میں لاتی ہے۔

نوجوان ہونے کے اپنی جگہ ثابت قدم رہے، اور کہا کہ ہم اپنے مالک کے گھر میں ایسی خیانت نہیں کر سکتے، جب کہ انہوں نے ہمیں اچھا نگرانہ دیا، عزت بھی بخشی ہے، اگر ہم نے ایسا کیا تو حد سے تجاوز کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے، قرآن مجید میں آتا ہے کہ دوسری طرف عزیز مصر کی بیوی کا اصرار اور مالکانہ حق ہونے کی وجہ سے دباؤ بھی اس قدر تھا کہ اگر حضرت یوسف نے اپنے رب کی طرف سے نشانی نہ دیکھی ہوتی تو شاید وہ بھی متاثر ہو جاتے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام دروازہ کی طرف چاہنے پڑا کہ لپکے تو وہ بھی پیچھے پیچھے بھاگی، اور بری نیت سے ان کی قیص کو اس شدت سے پکڑا کر وہ پھٹ گئی، مگر یہ محض اشارہ نہیں کی بات تھی کہ وہ اپنی جگہ جمعے رہے، جب دروازہ پر پہنچنے تو عین وقت پر عزیز مصر نے دیکھ لیا، جس کو دیکھتے ہی اس کی بیوی نے یہ بیان دیا کہ اس نے مجھے دعوت بد دی، اور میرے ساتھ غلط ارادہ کیا، اب اس کو سخت سے سخت سزا ہونی چاہیے، یا پھر اس کو سولی پر لکھا دینا چاہیے، ایسی صورت حال میں حضرت یوسف چونکہ غلام تھے، زیادہ زبان بھی کھولنا ان کے لیے جرم تھا، اس لیے انہوں نے بہت کم الفاظ میں یہ کہنا چاہا کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس عورت نے خود ہمیں بہکانے کی کوشش کی تھی، اللہ کی مدد یہ ہوئی کہ قصر شاہی کے کسی کارندے نے عزیز مصر کو یہ مشورہ دیا کہ اگر یوسف کی قیص پیچھے سے پھٹی ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ کی بیوی کی غلطی تھی، اور اگر آگے سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یوسف کی غلطی تھی، جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی، اور غلطی ان کی بیوی کی تھی، اس لیے عزیز مصر نے غفو در گزر سے کام لیا، اور اس قصہ کو یہیں پر دفن کرنے کی کوشش کی، کیونکہ غلطی خود کی بیوی کی تھی، اگر اس کو سزا دیتا تو مزید بد نامی کا سبب بنتا، یہ سارا قصہ گرچہ واقعی طور پر دفن کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن رفتہ رفتہ پورے محل میں بات پھیل گئی، اس لیے عزیز مصر نے اس بات کو دبانے کی یہ راہ اپنانی کہ کچھ دنوں کے لیے یوسف کو جیل میں رکھا جائے، تاکہ بات دب جائے، چنانچہ آپ کو جیل کی راہ دیکھنے پڑی، وہاں کی مشقتیں برداشت کیں، اور ایک عرصہ کے بعد باعزت رہائی نصیب ہوئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر انہیاً کرام علیہم السلام کو

تائیں و دعوت = انسانیت کی مسیحی

مولانا ذاکر سعید الرحمن اعظمی ندوی مدظلہ

درہم سے کم کا پنکا باندھنا اور تاج پہننا سخت میعوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوارک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشک میں جعل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی، اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہواں سے قیاس کر سکتے ہو۔

یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جز بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رنج بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک ایسا لا علاج مرض پیدا ہو گیا تھا جوان کی پوری شہری زندگی، اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ مصیبۃ عظیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری پر پر تکلف اور امیرانہ زندگی اسکی مسلط ہو گئی تھی، جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا، اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا، بات یہ تھی کہ تکلفات بیش بہار قیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور یہ قیں اور بے پایاں دولت کا شکاروں، تاجریوں اور دوسرے پیشہ دروں پر محسوس اور ٹکیں بڑھانے اور ان پر ٹکی کئے بغیر مستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزا نہیں دی جاتیں، اور اگر وہ قبول کرتے تو جانوروں جیسا سلوک کرتے۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جب تہذیب و ثقافت نے انسان کو اونچی نیچی، گداونی، قوی و ضعیف کے دو طبقوں میں بانٹ دیا، کینہ و حسد، بعض وعداوت، عصیت و قومیت، رنگ و نسل کی تفریق کے پیچ دلوں میں بودیے، اور دم انسانی اور اس کے عزو و شرف کے احساس کو ختم کر دیا، نئچہ انسان کے خون سے ہولی کھیلی گئی، جرمات کو پامال کیا

اسلام سے ما قبل تہذیب و تمدن کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اسلام نے عالمی سطح پر کتنی بڑی خدمت انجام دی، ڈوبتے سفینہ کو ساحل مراد تک پہنچا دیا، روتی بلبلاتی انسانیت کے ظلم و کرب کو ختم کیا اور اسے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچایا، اسلام نے یہ خدمت ایسے وقت انجام دی جب انسانیت ظلم و بربریت سے کراہ رہی تھی، ایک خاندان کے گئے ہنے افراد پرے مجموعہ انسانی پر اپنا حکم و تسلط جائے ہوئے تھے، اور انسانیت کے ساتھ گدھے اور کتے کا سا برتاؤ کرتے تھے، اور سامان تفریج ہناتے تھے، اسلام کا یہ بڑا کارنامہ نہیں ہے کہ اس نے انسان کو انسان کے ساتھ جیسے کا طریقہ سکھایا؟ مردہ غمیروں کو بیدار کیا، حق کی آواز بلند کرنا سکھایا اور اس کو رتبہ و مقام دیا؟

حضرت شاہ ولی اللہ درجۃ اللہ علیہ نے اپنی جلیل القدر تصنیف ”حجۃ اللہ ال بالغہ“ میں ما قبل اسلام کی اس صورت حال کی پوری تصویر کی پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں:

”صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہک رہنے اور آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پھندے میں آجائے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومنیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان میں بڑی موشکانی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی، اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے، اور فخر کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل سزا اور اہل مکال جمع ہو گئے تھے، جو اس سامان آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے، اور نئی نئی تراش خراش لکاتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں، اور ان باقوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ

اساپ و دواعی ملاش کریں تو لازمی طور پر مادیت ہی کو اصل سب قرار دینا ہوگا، چنانچہ آج کا متمدن انسان اسی طرح پریشان و حیران ہے، جس طرح دور جاہلیت میں تھا، اس کی اس پریشانی و بدحالی کے وجہ و نام بدل گئے ورنہ جہاں تک ظلم و جور، شفاقت و عذاب، تشدد و سرسختی کا سوال ہے وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے زمانہ اسلام سے ما قبل تھا، چاہے وہ تہذیب و ثقافت کے نام پر ہو یا رفاقت و معیار زندگی کے اعلیٰ ہونے کی بنیاد پر۔

آپ خود دیکھتے ہیں کیا آج کا لے و گورے کے درمیان جنگ پا نہیں؟ کیا طبقاتی تقاضت آج نہیں پایا جاتا؟ کیا عیش و نعم میں پلنے والے اور اعلیٰ عہدہ دار کا طبقہ اپنی دولت و مال کی بنیاد پر اتراتا ہوا نظر نہیں آتا؟ کیا رنگ و خون، نسل و خاندان کا امتیاز آج باقی نہیں؟ کیا کمزور طبقہ کو ایک ادنیٰ غلام کی سی زندگی آج گذاری نہیں پڑتی؟ کیا مزدور پیشہ ور طبقہ ایک لقہ کے لیے محنت و مشقت برداشت نہیں کرتا؟ کیا یہ سب روم و فارس کی تہذیب و ثقافت اور طرز معاشرت سے بڑھ کر ہمارے علم و ضاحث عقل و فلسفہ کے تمدن و پچر میں نہیں پایا جاتا؟ کیا ایک کمزور و ناتوان انسان سے اس کا حق زندگی نہیں چھیننا جاتا؟ کیا اس کو پتھی ہوئی آگ لوٹے پڑنے لئا دیا جاتا؟ کیا اس کی کھال بکری و اونٹ کی طرح نہیں کھینچی جاتی اور اس کو ذلیل و رسوانی نہیں کیا جاتا؟ کیا ایک لاڈ لے بچے کو اس کی ماں، شوہر کو بیوی اور اولاد کو والدین کے سامنے نہیں ذبح کیا جاتا؟ اس طرح کی کتنی مثالیں ہیں جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس متمدن زمانہ میں ظلم و جور، ذلت و رسوانی، جرام و تشدد، طمع و حرص، جھوٹ و دعا کی فضا جس قدر عام ہے، اسلام سے پہلے زمانہ میں اس قدر نہ تھی، دور جاہلی کا انسان اتنے سخت حالات سے دوچار نہ تھا، جتنا کہ آج کا متمدن شخص تمدن و فن کی وجہ سے دوچار ہے، آج تو یہ حال ہے کہ ظلم و شفاقت، غلام و تابع دار بنانے، حقوق کی پامالی کرنے، بے عزتی و آبروریزی کو بہت بڑا کامیاب فن سمجھا جانے لگا، نیز دین و اخلاق کا البادہ اوڑھ کر اس کی آڑ میں لوگوں نے جوڑھوںگ مچا رکھا ہے یہ بھی آج ایک کامیاب فن ٹھہرا۔..... (باتی صفحہ نمبر ۱۲/اپر)

گیا اور پوری دنیا ظلم و جور، بربیت و شیطانیت کا شکار ہو کر رہ گئی، لیکن اسلام نے انسان کی قدر و منزلت کو بڑھا کر بام عروج تک پہنچایا اور دنیا والوں کے سامنے اخوت و مساوات، موسات و ہمدردی کا حسین گلدستہ پیش کیا، اور صاف طور سے یہ اعلان کر دیا کہ تمام انسان برابر ہیں، کسی انسان کو کسی دوسرے پر ذرا بھی فویت نہیں، نبی کریم ﷺ کا برملا اعلان انسان کے مساوات کی محلی دلیل ہے کہ ”نہ عربی کو بھی پروفیت حاصل ہے، نہ بھی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے بڑھا ہوا ہے نہ گورا کا لے سے، صرف تقویٰ ہی انہیں ایک دوسرے پر فائق کر سکتا ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم میں سے بنائے گئے ہیں۔“

اسی طرح قرآن پاک نے اعلان کرتے ہوئے انسان کی حقیقت سے روشناس کرایا: ﴿هُنَّا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَاوَنُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْنَاصُكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مردار ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف و ہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو)

رنگ و نسل، جنس و مال، قوی و ضعیف کے تمام امتیاز کو یک لخت ختم کر کے تمام انسانوں کو یہ سبق سکھایا کہ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھاے رہنے ہی میں اس کی فلاح و بہبودی مضر ہے، اسی طرح اس مظلوم و پریشان حال انسان کو اخوت و محبت، مساوات و رواداری کا سبق یاد دلاتے ہوئے اس کے خون و عزت کے لحاظ سے بھی واقف کرایا، اور یہ بھی بتا دیا کہ جاہلیت نے انہیں کس طرح آگ کے دہانے پر لاکھڑا کیا تھا، اور اسلام نے اس میں گرنے سے کس طرح بچالیا، انسانیت پر اس کا یہ احسان اور انعام نہیں تو اور کیا ہے، قرآن پاک اپنے انعامات کو بیان کرتے ہوئے یوں گویا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرُّوْا﴾

آج انسانی سوسائٹی پر مادیت کا جو جال پھیلا ہوا ہے، اور چہار دنگ عالم میں اس سے جو شور پاہے اس سلسلہ میں اگر ہم فکرو تماں سے کام لپتے ہوئے انسان کی زیبوں حالی و ختنہ سامانی کے

اسلام کے اندر اس کے بعد دوسرا درجہ طہارت کا ہے، اور طہارت کے لیے اسلام کا کہنا ہے کہ اعضاء اور جسم کو خاص انداز سے دھویا جائے اور اس دھونے کو گویا کہ اسلام کی ایک علامت بھی بنادیا گیا ہے، یعنی وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کو کرنا مسلمان ہونے کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے تصور و تخیل میں اچھی طرح پاک صاف ہو جائے، اور اللہ کے نزدیک بھی پاک ہو جائے، کیونکہ خیل کے تصور کا انسان کے اوپر غیر معمولی اثر پڑتا ہے، اور اسی لیے اس میں نیت کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وضو اور غسل نیت کر کے کرنا چاہیے، اس لیے کہ جب نیت کے ساتھ کیا جائے گا تو اس کا فائدہ بھی بھرپور حاصل ہو گا، اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ انسان جب اعضاء دھوتا ہے تو اس کے گناہ پانی کے ساتھ گرتے ہیں، اور یوں بھی جب انسان نیت کے ساتھ وضو کرتا ہے تو اس کا پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی مکمل اور پری صفائی بھی ہو جاتی ہے، دوسرے اس کے ہاتھ سے جو گناہ ہوئے ہوتے ہیں وہ بھی جھٹر جاتے ہیں، معلوم ہوا گویا کہ اسلام نے دو تصور دیئے ہیں، ایک ظاہری صفائی اور ایک باطنی صفائی، ظاہری صفائی تو ہاتھ کا دھولیتا ہے اور باطنی صفائی وہ ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو سر کے اندر خرابی آ جاتی ہے لہذا جب چہرہ دھلتا ہے تو انسان کے سر کے گناہ جھٹر جاتے ہیں۔

اسی طرح پورے جسم کا معاملہ ہے کیونکہ آدمی نہ جانے کیسے کیسے گناہوں میں بیتلار ہتا ہے جن کی وجہ سے گندگی پیدا ہو جاتی ہے اور گناہ گندگی کا نام ہے، جس کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے کہ شسل کی حاجت بڑا حدث لاحق ہونے پر پڑتی ہے جس کی وجہ سے آدمی کو نہانا پڑ جاتا ہے اور اگر کوئی صرف استنجاء وغیرہ کرے یا صرف ریاح کا خروج ہو جائے تو وضو کافی ہوتا ہے، ایسے ہی بعض دفعہ ایسا گناہ ہو جاتا ہے جس سے ایمان ثوٹ جاتا ہے جیسے یہاں وضو اور غسل ثوٹ جاتا ہے ایسے ہی بعض گناہوں سے ایمان ثوٹ جاتا ہے، مثلاً: کفر اور شرک سے ایمان ثوٹ جاتا ہے اور بد عادات و خرافات سے ایمان مل جاتا ہے اور دوسرے جو گناہ ہیں ان سے بھی ایمان میں کمزوری آ جاتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پاک صاف رکھنے کے لیے ترتیب رکھی ہے، جس کا پہلا درجہ نظافت ہے لہذا ہر شخص کو انسانی احتیارات سے پاک صاف رہنا چاہیے اور اگر کوئی شخص

طہارت کے مرحلے

مولانا سید عبد اللہ حشمتی ندوی

ہر وہ شخص جس کے اندر طبیعت کی سلامتی موجود ہے اور اس کی فطرت بھی صحیح ہے وہ پاکی کو پسند کرتا ہے، ایسے ہی ہر مذہب جو صحیح اصولوں اور انیاء کے عطا کردہ راستہ پر قائم ہے اس کے لیے یہاں طہارت و پاکی کا اور گندگی سے اپنے آپ کو دور رکھنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پاکی کو انسان کی فطرت میں رکھا ہے، اسی لیے عمومی طور پر اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے لوگ پاکی کا اہتمام کرتے ہیں، مایں اپنے بچوں کو دھلائی ہیں یہ بھی پاک اور صاف کرنے کا ایک نظام ہے اور بستر ویں کو دھویا جاتا ہے، یہاں تک کہ خود اپنے کو دھویا جاتا ہے یہ سب پاکی کے ہی مناظر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنے کوٹھیک رکھنے اور صاف رکھنے کا مادہ رکھا ہے، اور چونکہ اسلام نہایت کامل و مکمل دین ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو کامل طور پر پاکی رکھا ہے اس لیے اس نے طہارت کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے، جتنا دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا، لیکن اسلام نے طہارت کی درجہ بندی بھی کی ہے، نہ برائیک پر ابتدائی درجہ کی چیز نظافت ہے اس کا بھی اسلام نے پورا اہتمام کیا ہے، اور نظافت میں وہ ساری چیزیں ہیں جس کو گھروں کی صفائی، آٹھن کی صفائی، کمروں کی صفائی سے ہم لوگ تعمیر کرتے ہیں، اسی طرح سے مسجدیں میلی ہو جاتی ہیں ان کو جھاڑا جاتا ہے، ان پر رنگ کرایا جاتا ہے، یہ سب چیزیں نظافت سے تعلق رکھتی ہیں اور اسی طرح جسم انسانی میں بھی نظافت کا اہتمام کروایا گیا ہے جس کو فطرت سے تعمیر کیا گیا ہے کہ ناخون کاٹے جائیں، داڑھی، موچھیں، بال اور آنکھوں کو بھی صحیح رکھا جائے، اور تیل کا بھی استعمال کیا جائے، اس کے علاوہ جسم کو دھویا جائے وغیرہ وغیرہ، یہ ساری چیزیں ابتدائی درجہ میں شامل ہیں، جن کو ہر آدمی اپنے اپنے انداز سے کرتا ہے، اور جو شخص ایسا نہیں کرتا ہے تو اس کو اس کے گھر والے برا سمجھتے ہیں، اسی لیے اس کو فطرت میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

بعد چھڑکا و کیا جانا اور چونا ڈالنا اور گندگی وغیرہ کی صفائی کے لیے مزدور کو گانا، یہ طہارت کا مرحلہ ہے، اور اس کے بعد چہاں پر وہ آکر بیٹھے گا وہاں چاندنی وغیرہ کا بچھایا جانا اور پھولوں کا ڈالنا اور اعلیٰ درجہ کی کرسی کار کھانا جانا، اس کے تزکیہ کا مرحلہ ہے، لیکن یہاں پر ہم لوگوں نے ایمان کو اتنا گھٹھیا سمجھ لیا کہ اس کو ہر کس دنکس جگہ پر گھسیت پھرتے ہیں، ورنہ ایمان تو اس سے کہیں درجہ بڑھ کر ہے، اسی لیے ایمان کو ان تینوں مراحل کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ اس کی حیثیت گورنر سے کہیں بلند ہے، لہذا جب یہ تینوں چیزوں ہوں گی تو حقیقی معنی میں انسان کے دل میں ایمان اسی وقت آئے گا، ورنہ جس طرح انتظامیہ کی کچھ کمی ہونے پر گورنر صاحب نہیں آسکتے، اسی طرح ان تینوں مراحلوں میں سے کسی ایک کے اندر کی ہونے سے ایمان بھی دل میں نہیں آئے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت انسان گنداء ہے تو اس وقت ایمان موجود نہیں ہوتا بلکہ بہت جاتا ہے، جس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح کوئی شخص بلا کسی وجہ کے صدر صاحب کی موجودگی میں احتجاج کرے اور کالا جھنڈا دکھائے تو وہ چلا جائے گا، اسی طرح اللہ نے ایمان کی جو دولت عطا کی ہے اس کے مقابلہ میں کوئی شخص شرک و کفر اور بد عادات و خرافات کی باتیں کرے، تو پھر اس کا ایمان بھی رخصت ہو جائے گا، لیکن اس کے بعد اگر کوئی ایسا شخص ایمان کی طرف دوبارہ پلٹ کر آجائے تو اس کے متعلق دوبارہ اعلان خداوندی کر دیا جاتا ہے کہ اس کو یہ نعمت دے دی جائے، اب اس کے بعد اس شخص کا جس درجہ کا ایمان ہوگا اسی درجہ اس کو ایمان کی حلاوت بھی نصیب ہوگی، اور اس کے بعد ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ پاکیزہ زندگی عطا فرمادے گا، جس کو قرآن مجید میں حملہ طیۃ سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی ایسے شخص کو ایک پاکیزہ اور خوشنگوار زندگی عطا ہوگی، انسان کے طیب ہونے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس طرح طیب مٹی کو چھوٹے سے انسان پاک ہو جاتا ہے اسی طرح طیب آدمی کے ملنے سے انسان کے گناہ چھڑ جاتے ہیں، جس کی وضاحت حدیث میں ہے کہ جب دو مومن آپس میں ملتے ہیں تو ان کے گناہوں کو ان کے جدا ہونے سے پہلے ہی معاف کر دیا جاتا ہے۔

صاحب ایمان ہے تو اگر وہ اس نظافت میں نیک نیت بھی کر لے تو اس کا مقام اور بلند ہو جائے گا، اور اس کے بعد دوسرا درجہ طہارت کے اختیار کرنے کا ہے، یعنی اگر کوئی انسان استخاء سے آیا ہے یا ریاح خارج ہوئی ہے تو اس کو وضو کر لینا چاہیے تاکہ استخاء اور ریاح سے اتنی دریغافت میں رہنے کی وجہ سے جو ایک کدو رت پیدا ہو جاتی ہے، وہ کدو رت وضو کے ذریعہ محل جائے اور آدمی اس سے پاک ہو جائے، اسی لیے طہارت میں انسان کی جس قدر نیت صادقة ہوتی ہے اسی قدر اس کا مرتبہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سخت سردی کے زمانہ میں مشکل کے باوجود مکمل طور پر وضو کرنے سے انسان کے سارے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجات کو بلند کر دیا جاتا ہے۔

طہارت کے بعد تیسرا درجہ تزکیہ کا ہے، جس کا تعلق دل و دماغ سے ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے دماغ کو برے جذبات سے پاک کر لے اور دل کی جو پیاریاں ہیں ان کو دل سے نکال دے، تو دل کا تزکیہ ہو جائے گا اور دماغ کا تصفیہ ہو جائے گا اور وہ حقیقی مومن ہو جائے گا، کیونکہ مومن اسی کو کہتے ہیں جو پاک صاف ہو، اس کے اندر شرک کا، کفر کا، گندگی کا کوئی شایبہ بھی دل و دماغ کے اندر موجود نہ ہو، اور نہ ہی جسم پر ظاہری اعتبار سے موجود ہو، معلوم ہوا جس کا ایمان اس درجہ کا ہو وہ مومن ہے اور ایمان سب سے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے، لیکن یاد رہے کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔

ایمان کے دل سے تعلق کو بطور مثال یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایمان گویا گورنر کی طرح ہے، حالانکہ ایمان تو بلند حیثیت کا حال ہے، جس کے سامنے صدر مملکت بھی کچھ نہیں ہے، لیکن سمجھانے کے لیے یہ مثال بیان کی جاتی ہے: جیسے کسی ملک کا صدر ہو اور وہ کسی شہر میں جلسہ کے اندر شریک ہونے کے لیے آ رہا ہو، تو وہ چہاں بیٹھے گا اس جگہ کی اچھی طرح صفائی کی جائے گی، اسیج کو خوشنما بنا یا جائے گا، گلیوں کو مہر کایا جائے گا، اور جس کرسی پر بٹھایا جائے گا اس کو اچھی طرح سجا یا جائے گا، تاکہ گورنر صاحب ناراض نہ ہو جائیں اس لیے ان کے شایان شان استقبال کیا جائے گا، لہذا ایسے میں جو سڑکوں وغیرہ کو صاف کیا گیا ہے یہ گویا کہ نظافت کا مرحلہ تھا، اور اس کے

کہ قرآن مجید سنت کے مطابق پڑھا جائے، یہ بہت اہم چیز ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص اس طرح تلاوت نہیں کر سکتا تو گویا وہ قرآن کا حق ادا کرنے والا نہیں بن سکتا۔

حقوق قرآنی میں چوتحا اہم حق "حفظ قرآن" ہے، نماز جو کہ دین اسلام کا بنیادی رکن ہے، اس کی تجھیل بغیر تلاوت قرآن کے ممکن نہیں، اور نماز میں تلاوت قرآن بغیر حفظ کے ممکن نہیں، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر فرد کم از کم چند سورتیں ہر حال میں یاد کر لے تاکہ اس کی نماز سنت طریقہ کے مطابق ادا ہو سکے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ بڑی حق تلفی ہو گی، ایک طرف قرآن مجید کے حق کی حق تلفی اور دوسری طرف نماز کی حق تلفی، پھر اسی کے ساتھ ایمان کی بھی حق تلفی۔

حفظ قرآن کے اس لازمی جز کے علاوہ معاشرہ میں کچھ ایسے افراد کا تیار ہونا اور اس امر کی طرف توجہ دلانا بھی نہایت ضروری ہے کہ ہمارے بچوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہو جن کے سینے مکمل حفظ قرآن سے معمور ہوں، حفاظت قرآن کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، اس نعمت کے سینہ میں محفوظ ہونے سے حافظ قرآن کی حفاظت بھی اللہ رب العزت کے ذمہ ہو جاتی ہے اور اس کے والدین و خاندان والوں کے لیے بھی یہ شرف و امتیاز کی بات بن جاتی ہے، جو کہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری کے حصول کے بعد بھی ممکن نہیں۔

حقوق قرآنی میں پانچواں حق "فهم قرآن" کا ہے، یہ بھی قرآن مجید کے بنیادی حقوق میں سے ہے کہ ہم قرآن مجید کے تقاضوں اور اس کے مطالبات سے واقف ہوں، ان کو سمجھنے کی کوشش کریں، ہم غور کریں کہ قرآن مجید ہم سے کون سی زندگی کا مقاضی ہے، وہ ہم سے کن صفات کا مطالبه کرتا ہے، کیسے اخلاق چاہتا ہے۔ چھٹا اہم حق "قرآن پُر عمل" کرنے کا ہے، واقعہ یہ ہے کہ آج

اسلامی معاشرہ سے قرآن مجید کا یہ اہم حق بھی او جھل ہوتا جا رہا ہے، اس حق کو ادا کرنے کے بعد مسلم معاشرہ کی جو اخلاقی بلندی ہوئی چاہیے تھی، آج ہمارا سماج اس سے بالکل دور نظر آتا ہے، ہر طرح کی بد اخلاقی، بے حیائی، نخاشی کے مناظر، جھگڑے، گالیاں، گندگیاں، نشہ میں مست ہونا، قتل و غارت گری جیسی سوہان روح حرکتیں ان

قرآن مجید کے حقوق

بلال عبدالحی حسنی ندوی

روئے زمین پر کلام الہی ایک ایسا مقدس و پاکیزہ کلام ہے جس کی بنیاد پر اس زمین کو آسمانوں پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے، قرآن مجید تمام انسانیت کی نجات کا ذریعہ ہے، صحیح راہ بتانے والا ہے، البتہ عملی طور پر یہ ان لوگوں کے لیے سراپا ہدایت ہے جو اللہ کا لحاظ رکھتے ہیں، اس کے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں، قرآن مجید میں بیان کردہ احکامات پر عمل کرنے سے قبل ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان قرآنی حقوق کو سمجھنے کی کوشش کرے، ذیل میں بالترتیب قرآن مجید کے انہیں سات حقوق کا ذریعہ کیا جاتا ہے:

- (۱) ایمان (۲) عظمت (۳) تلاوت (۴) حفظ (۵) فہم (۶) عمل (۷) تبلیغ۔

آج ہمیں قرآن مجید کے ان بنیادی حقوق کی روشنی میں اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم نے کس حد تک ان حقوق کو ادا کیا ہے، قرآن مجید کا پہلا حق یہ ہے کہ انسان اس پر ایمان لائے، اس بات کا لذتیں ہو کر یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور نجات کا ذریعہ ہے، اس کا ایک ایک حرف، زیر وزیر سب اللہ کا نازل کیا ہوا ہے، اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے، اور اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی موجود ہے جو حقوق قرآنی سے آشنا ہونا تو بہت دور کی بات، نہ وہ کلام الہی سے واقف ہے، نہ ہی اس کی عظمت سے، اگر ان سے قرآن مجید پڑھنے کا مطالبه بھی کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی رسم الخطی سے واقف نہیں۔

بلاشبہ حاملین قرآن کے لیے مسلم معاشرہ کی یہ زبوں حالی افسوس ناک بات ہے، ہمیں یہ طے کرنا چاہیے کہ ہمارے معاشرہ کا ہر ہر پچھہ کم از کم قرآن مجید پر پختہ ایمان رکھنے کے ساتھ من ججوید اس کی تلاوت بھی کرنے کے لائق ہو، تاکہ کسی درجہ میں ہم قرآن مجید کے بنیادی حقوق ادا کرنے والے بن جائیں، تجوید کا مطلب یہ ہے

کے متعلق سخت الفاظ فرمائے گئے کہ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو، ان کو یہ تادوکہ ان کے پہلوؤں کو روز قیامت داعا جائے گا، وہ رحمت الہی کے ہرگز سزاوار نہیں ہوں گے، اسی طرح قرآن مجید کا حکم ہے کہ ہم کسی سے بدگمانی نہ کریں، کیونکہ بسا اوقات بدگمانی بڑے بڑے جھگڑوں کا پیش خیہ ہوتی ہے، اسی طرح قرآن مجید کا حکم تھا کہ ہم اپنے پڑوی کی عزت کریں، اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، حتیٰ کہ اگر سفر میں ہمارے برابر میں کوئی شخص بیٹھا ہے تو اس کو بھی پڑوی بتایا گیا اور فرمایا گیا ہے کہ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے، مگر آج ہم میں سے بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اس پر عمل کرتے ہوں گے، غرض کہ اس طرح نہ جانے کتنے احکامات ہیں جن کو یہاں شمار کرنا مشکل ہے، اگر ہم ان احکامات پر غور کر کے اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ حقیقتاً ہم قرآنی زندگی سے بہت دور جا چکے ہیں، بھی وجہ ہے کہ آج اس مبارک کلام الہی پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے عالمی منظر نامہ پر مسلمانوں کی صورت حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے، قرآن مجید اس حقیقت کی طرف پہلے ہی اشارہ کر چکا ہے:

﴿وَمَا أَصَابُكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبْتُ أَيْدِيهِنَّكُمْ
وَيَعْفُو عَنِ كَثِيرٍ﴾
(الشوری: ۳۰)
(اور تم جس مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور کتنی چیزیں وہ درگزر کر جاتا ہے)

ساتواں حق "تبیغ قرآن" کا ہے، موجودہ حالات کے تمازن میں اہل ایمان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ پہلے خود قرآن مجید سے اپنا تعلق تازہ کریں، اور جو لوگ قرآنی تعلیمات سے کٹ کر دنیوی برائیوں میں غرق ہو چکے ہیں، انہیں دوبارہ جلا بخشیں، انہیں "خیر کم من تعلم القرآن و علمه" (صحیح البخاری: ۵۰۲۷) (تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو قرآن مجید کے ساتھ اور سکھائے) کا مژدہ سنائیں، اور پریشان حال دنیا کو اس کی حقیقت سے روشناس کر کے حقیقی امن و سکون عطا کریں، آج جس طرح بازاری لوگوں کی ایک آواز پر پوری قوم ڈراموں، نمائشوں، تفریجی کھیلوں سے لطف انداز ہونے کے لیے نکل پڑتی ہے، ٹھیک اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ دلچسپی کے ساتھ ہماری قوم قرآن مجید کے

افراد کا شیوه نظر آتی ہیں، جو کہ ایک ایسی مقدس کتاب کے حامل سمجھے جاتے ہیں، جس میں جا بجا ان برائیوں پر سخت نکیر کی گئی ہے اور ان کے بھی انکے نتائج کی آگاہی دی گئی ہے۔

آج اگر ایک طرف احکامات قرآنی پر نظر ڈالی جائے اور دوسری طرف مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ قرآنی تعلیمات سے مسلمانوں کی موجودہ طرز زندگی کا کوئی جوڑ ہی نہیں، قرآن مجید میں اس بات کی تاکید کی گئی کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹ بولنے والے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے، مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص آسانی جھوٹ بولتا ہے، قرآن مجید کا حکم ہے کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو، زبان کی حفاظت آخرت میں مغفرت کا ذریعہ ہے، مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اس سلسلہ میں بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے، قرآن مجید کا حکم ہے کہ ہم وراثت کی تقسیم شرعی اصول و ضوابط کے مطابق کریں، بہنوں کو ان کا حصہ دیں، مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار مسلم گھرانوں میں لڑائی جھگڑے کا سبب میراث کی تقسیم شریعت کے مطابق نہ کرنا ہے، جب کہ دین اسلام میں میراث کے احکامات کو اس تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے فریضہ کے متعلق یہ اہتمام کیا گیا ہو، قرآن مجید میں کسی بھی ایک فریضہ کے تمام احکامات کی تفصیل تکمیل طور پر ایک جگہ ملنا مشکل ہے، مگر وراثت کی تقسیم کا واحد مسئلہ ایسا ہے کہ اس کی تمام تر تفصیلات کو کھوں کر ایک ہی جگہ بیان کر دیا گیا ہے، اسی طرح قرآن مجید کا حکم ہے کہ مسلمان آپس میں لڑائی نہ کریں، جھگڑوں سے دور رہیں، مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری کمائریوں کا زیادہ تر حصہ عدالتوں کی نذر ہو جاتا ہے، جب کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ آپس میں لڑائی استرے کی مانند ہے، جس طرح استرے سے بال موڑ دیئے جاتے ہیں، اسی طرح آپس کی لڑائیوں سے دین ختم ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں یہ بھی صراحت کے ساتھ حکم دیا گیا کہ آپس کی لڑائی سے تمہاری کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، ذلت و رسولی تمہارا مقدر بن جائے گی، اسی طرح قرآن مجید کا یہ بھی حکم ہے کہ مال جمع کر کے نہ رکھو، اللہ تعالیٰ جس قدر تم کو نوازے، اسی قدر تم اس کی راہ میں خرچ کرو، اگر کوئی ایسا نہیں کرتا، بلکہ پہنچ بیٹھنے ملتا ہے، مال جمع کرتا ہے، اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، اس

گی، اور اللہ کی ایسی مدد آئے گی کہ اس کی طرف خیال بھی نہ گیا ہوگا، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم کلام پاک کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کے حقوق کو ادا کریں۔

باقیہ:- تبلیغ و دعوت- انسانیت کی مسیحائی

ان نامساعد حالات میں جس تیزی کے ساتھ اخلاقی دینی اور انسانی اقدار سے انحراف ہو رہا ہے، دراصل اس کی وجہ خواہشات و آرزوؤں کی تیکھیل ہی ہے، اس صورت حال نے موجودہ زندگی میں فلسفہ، علم و نظریات کی کئی شکلیں پیدا کر دیں، اور اس پر مباحثت نے عقل و فکر کی بنیاد پر خیال آرائی اور نکتہ سنجی سے طرح طرح کے افکار کو جنم دیا، جس سے عیش پرستوں کا مقام اور بلند ہو گیا، یہ عیش پرستی، ناز فعم ان ہی افکار و نظریات کا نتیجہ ہے۔

اب غور و فکر کرنے کی بات ہے کہ یہ بگاڑ کیے دور ہو، یہ صرف امید و آرزو و فلسفہ اسلام کو پیش کر دینے اور قلم و زبان سے برائیوں اور اچھائیوں میں فرق کر دینے سے ہرگز یہ بگاڑ دور نہیں ہو سکتا، بلکہ اس پیخار سوسائٹی کی مسیحائی کے لیے تبلیغ و دعوت کے ساتھ ساتھ قول و فعل میں مطابقت پیدا کر کے اسلامی سیرت کو واضح و منځ شکل میں پیش کرنے کی ضرورت ہو گی، ہمارے قول و عمل میں تضاد سے یہ فساد و بگاڑ بھی ختم نہ ہوگا۔

اسلام ہم سے یہی چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصد بھی ہے، اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنے سخت حالات کا مقابلہ نہیں تھا، جتنا آج ہے، اور خاص کر یہ صدی بھری تو طرح طرح کے چیخنے لے کر نمودار ہوئی، ایسے وقت میں ہمارا خاموش بیٹھنا یقیناً آیت قرآنی ﴿وَلَتُكُنْ مُّنْكَمْ أُمَّةٌ يَذْهَعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ کے منافی ہو گا، اب وقت آگیا ہے کہ ہم علم و عمل کے تھیار سے لیں ہو کر اس دلکی انسانیت کو اس کا سبق یاد دلائیں، قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ سے لوگوں کو عمل پر ابھارنے کی تاکید کی گئی ہے، نویہ قرآنی ہے: ﴿وَقُلْ أَعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ جو چاہو عمل کیے جاؤ، سوا بھی دیکھے لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان)

حلقوں اور اس کی نسبت پر سجائی جانے والی محفلوں میں شریک ہونے کو باعث صد انتشار سمجھے، آج دینی محفلوں سے لوگوں کی عدم توجہ اور دلچسپی نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ابھی وہ حقیقت دین ہی سے نا آشنائیں، الہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ذہن میں پیدا شدہ فاسد مادہ کو دور کرنے کی کوشش کریں، اپنے عمل و کروار سے قرآن مجید کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش کریں، ہماری زندگی ایسی ہوئی چاہیے کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کے اندر ایک شوق و جذبہ پیدا ہو، لوگ ہمیں دیکھ کر دور ہی سے کہیں کہ یہ نبی والے لوگ ہیں، ان کے اندر اخلاق ہیں، ان کے یہاں طرز معاشرت ہے، ایک دوسرے سے محبت ہے، غیروں کے ساتھ ہمدردی ہے، یہی وہ چیزیں ہیں جن سے یہ بلند یوں پر فائز ہیں، یاد رہے کہ اگر ابھی ہوش کے ناخن نہ لیے تو پھر ایک دن وہ آئے گا کہ خدا تعالیٰ ان تمام نعمتوں کو چھین لے گا، اور ہماری جگہ ایک ایسی قوم لائے گا جو ہم جیسی نہ ہو گی، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس قوم کا احساس بیدار نہ ہو، غفلت اس کا شعار بن جائے، کفران نعمت اس کا شیوه ہو جائے تو پھر ایسی ناقداریوں کے بعد وہ ایسی قوم کو زیادہ وقت تک روئے زمین پر باقی رہنے کی مہلت نہیں دیتا، تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جب بھی مسلمانوں نے غلط راہ اپنائی، ایمانی اخلاق سے کنارہ کش ہوئے تب انہیں ذلت و رسوانی کا سامنا کرتا پڑا، بغداد کی ایښت سے ایښت بجادی گئی، وہ اندرس جو کبھی مسلمانوں کا مرکز تھا، وہاں سے اسلامی اقدار کو ایسا پامال کیا گیا کہ کلمہ پڑھنے والوں کو مٹا دیا گیا۔

آج جب کہ ہر طرف ایمان کے سوداگر اپنا سازشی جال پچھائے ہوئے ہیں، ان حالات میں اہل ایمان کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کہ ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں، ہماری زندگیوں میں ایمان کی جو رمق ختم ہو رہی ہے اس کو تازگی بخشیں، رسومات و خرافات اور غیر ضروری امور میں الجھ کر اپنے اوقات کا ضیاع کرنا ان شکلیں حالات میں کوئی سمجھداری کی بات نہیں، اگر ہماری رفتار زندگی بھی رہی تو یاد رہے کہ ہم نہ اس دنیا میں کبھی عزت پاسکتے ہیں اور نہ آخرت میں ہمیں سرخوبی حاصل ہو سکتی ہے، اللہ کے کلام کے یہ حقوق ہیں، اگر ان کو ادا کیا گیا تو اللہ کی رحمت بارش کی طرح بر سے

اچھا گھروہ ہے جہاں ہر وقت کوئی کام میں مصروف ہو یا پھر کوئی تلاوت کر رہا ہو، کوئی اچھی کتابیں پڑھے، یہ سب کام میاں بیوی اور گھر کے سارے لوگ ایک دوسرے کے تعاون سے جاری رکھے ہوئے ہوں، نیا گھر بسائ کر دوسرے رشتہ داروں سے بھاؤ اور بناو کو وسیع پیاسہ پر قائم کر دیا گیا ہو، خیر خیرات، اجر آختر اور رضاۓ الہی کی نیت سے جاری ہوں، مساکین کو کھانے کھلانے جائیں، گو غربت ہو، شک دتی ہو تو سالن میں کچھ پانی زیادہ ڈال دیں، مگر ادا میں کچھ نہ کچھ اس کے غریب اور بے سہارا لوگوں کو دیجئے جائیں، توبہ اور استغفار، انابت الی اللہ، یہ سب کام ہوں، تو چغلی و غیبت کا موقع ہی نہ آئے، گھر کو شمع نبوت سے ایسا روشن کر دیا جائے کہ اندر ہیریاں لا پتہ ہوں، یہ تمام باشیں نکاح کی کامیابی کا ثبوت ہیں۔

ایک اچھے خاندان کی بہترین خوبی یہ ہے کہ افراد کا باہمی ربط و ضبط ہو، گھر کے افراد کے درمیان محبت و چاہت ہو، ایک دوسرے کے دم ساز ہوں، کوئی بھی سنگ دلی کا مظاہرہ نہ کرے، نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

دین حنفی اپنے ماننے والوں کو بنیان مر صوص دیکھنا چاہتا ہے یعنی سیسے پلاٹی ہوئی دیوار، اس مضبوط دیوار کا سنگ بنیاد وہ خاندان ہے جو عورت مرد باہم مل کر وجود میں لے آتے ہیں، خاندان کی اساس عورت مرد کے تعلقات خراب ہونے سے درہم برہم ہو جاتی ہے، ابلیس لعین کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی کامیاب نہیں ہو سکتی کہ میاں بیوی میں رنجش پیدا کر دے، اور بس باقی تمام کام آخری مرحلہ پرمیاں بیوی خود ہی کردار لتے ہیں، لیکن کامیاب نکاح والے گھر کے افراد، ابلیس کو اس محاذ پر بھی دفن کر کے رہتے ہیں۔

ایسی کامیاب گھریلو زندگی کا نسخہ خود قرآن مجید میں رب اعلیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَأَنْقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ (النساء: ۱)

(باقی صفحہ نمبر ۱۶۱ پر).....

باعث خیروبر گفت نکاح

مولانا عبدالکریم پارکیو

کامیاب نکاح وہ ہے جہاں حدود شریعت کو پامال نہ کیا گیا ہو، خوشی خوشی سب کام پوری سادگی سے انجام پائے، دہن گھر آئی، اس کے ماں باپ پرستک سے متعلق کوئی اعتراض نہ ہوا، بھی خوشی ہر چھوٹے بڑے نے نئی دہن کا استقبال کیا، آنے والی نے اپنی ساس اور خسر کو ماں باپ کی جگہ سمجھا، شوہر کو اپنا سرتاج مانا۔

دوسری طرف دو لہانے اس دہن کو پا کر اپنا بقیہ آدھا یمان پورا کر لیا، رشتہ حیات سے مسلک اس شریک حیات کا شوہر اپنی ذمہ دار یوں کو پورا کرنے میں لگ گیا، دہن نے نند اور دیور کو اپنا بھن بھائی مانا، گھر کے کام کا جو اپنے سر لیا، اگر کم آمدی والا گھرانہ ہے تو دھوپی اور درزی کے گھر جانے والی رقم کو روک لیا، گھر بیو اخراجات میں اصلاح اور کفایت شعاراتی سے بچت بھی اچھی خاصی کر لی۔

پھر ایک مسلم عورت اپنے فرانپش کی ادائیگی میں، نمازو تلاوت قرآن مجید سے خدا کی برکت کا ظہور ہونے کا سبب بنی۔

دہن نے آتے ہی گھر میں نہایت ہی سلیقہ سے رکھ رکھا و قائم کر دیا، میاں جب گھر آئے تو مسکرا کر ان کا استقبال کیا، ہر طرح کی زینت و آرائش صرف اپنے شوہر کے لیے روا رکھے، تاکہ شوہر کو دنیا میں صرف اپنی دہن ہی خوبصورت و خوب سیرت معلوم ہو، اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں وہ سلیقہ کہ محلہ پڑوس میں گھر کے بچے مثالی بچے کہے جانے لگیں۔

شوہر کے گھر آنے پر کوئی شکوہ شکایت اس کی ماں بھن کی مطلق نہیں، محلہ پڑوس میں گھر سے بھی لڑائی جھگڑا نہیں کیا، نئے ماں باپ اور نئے بھائی بھن اس دہن پر ایسے فدا کہ میکہ چلی جائے تو نیا گھر سونا، اور سرال آجائے تو پرانے گھر کے لوگ دیدار کو ترس جائیں۔

مسنون ہے، اس لیے کہ حضرت عبد اللہ ابن مغفل کی متفق علیہ روایت میں اس کا ذکر ہے، اس کے علاوہ بھی کئی روایات میں ذکر ہے، احتجاف میں سے کئی حضرات نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، لیکن تجھ بات یہ ہے کہ اگر اذان مغرب کے بعد اگر فرض نماز کی شروعات کسی جگہ کچھ تاخیر سے ہوتی ہو جیسا کہ حرمین شریفین، دہلی کی مرکز والی مسجد اور بعض دوسری جگہوں پر اس کا معمول ہے، تو ان احادیث کے پیش نظر ان کا پڑھنا جائز ہے گا، مکروہ نہیں کہا جاسکتا، البتہ خود آنحضرت ﷺ اور کبار صحابہ کا عمل نہ ہونے کے سبب زیادہ مناسب یہی ہے کہ اس کا معمول نہ بنایا جائے، علمائے احتجاف میں سے ابن عابد بن شامي نے کئی مشائخ کے حوالہ سے اس کی اباحت اور جواز کی بات لفظ کی ہے۔ (شامي: ۱/۳۹۸-۳۹۹)

مغرب کے بعد سنت غیر موقده

سنن موقده کی بحث میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ مغرب کے فرض کے بعد دور رکعات سنت موقده بھی ہیں، ان دور رکعات کے بعد کچھ رکعات سنن غیر موقده بھی ہیں، فقهاء نے ان کی تعداد چھ رکعات لکھی ہے، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ یہ چھ رکعات ۱۲/ سال کی عبادت کے برابر شمار کی جاتی ہیں، لیکن ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، ترمذی ہی میں حضرت عائشہ کی روایت میں ۴/ رکعات کا ذکر ہے، پھر فقهاء نے یہ بھی بحث کی ہے کہ ان دور رکعات کے علاوہ مزید چھ رکعات پڑھے۔ (شامي: ۱/۳۹۸)

لوگوں کا عام طور سے معمول یہ ہے کہ مغرب کے فرض کے بعد دور رکعات سنت موقده پڑھتے ہیں، اس کے بعد دور رکعت نفل پڑھتے ہیں، فقہی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا، لیکن ممکونہ میں حضرت مسیح مخلص سے مرسل ایک روایت نفل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دور رکعات اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعات پڑھے تو اس کی نماز علیہن کو پہنچا دی جائے گی۔

(رواه معاذین و روی البیهقی الزیادۃ عنہ) (مشکوہ:

۱۰۵/۱، باب السنن الفصل الثالث)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا جو عام معمول ہے

سنن غیر موقده اور نوافل

مفتقی راشد حسین ندوی

سنن غیر موقده ان سنتوں کو کہتے ہیں جن کی فضیلت آنحضرت ﷺ کے قول سے ثابت ہو یا جن کا کرنا منقول ہو، لیکن اس پر پابندی کرنا ثابت نہ ہو، ان کو مستحب بھی کہا جاسکتا ہے، اور نفل میں تو تمام سنن شامل ہیں، چاہے موقده ہوں یا غیر موقده، روز آنہ نمازوں کے آگے پیچھے پڑھی جانے والی ہوں یا فرض نمازوں سے الگ ہوں یا کسی خاص موقع پر مشروع ہوں، ان کو پڑھنے سے ثواب ملتا ہے، اور نہ پڑھنے سے کوئی گناہ، ملامت یا عتاب نہیں ہوتا۔ (شامي: ۱/۷۶)

فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جانے والی سنن

غیر موقده

فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جانے والی سنن غیر موقده مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) ظہر کے بعد دور رکعت سنت موقده کے بعد دور رکعات۔
- (۲) مغرب کے بعد ۴/ رکعات۔
- (۳) عصر سے پہلے دو یا چار رکعات۔
- (۴) عشاء سے پہلے دو یا چار رکعات۔
- (۵) عشاء کے بعد چار رکعات۔ (ہندیہ: ۱/۱۱۲، شامي: ۱/۳۹۸)

ਜہاں تک ظہر کی دور رکعت سنت موقده کے بعد والی دور رکعت نفل یا غیر موقده کا تعلق ہے تو حضرت ام حمیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو ظہر سے پہلے چار رکعات اور ظہر کے بعد چار رکعات پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنم پر حرام کر دے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی، منhadم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ عصر سے پہلے دور رکعات پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

مغرب کے فرض سے پڑھے سنت

شوافع کے یہاں مغرب کے فرض سے پہلے دور رکعات پڑھنا

(مسلم)

نماز کو وتر بناو۔

مولانا رشید احمد لدھیانوی دنوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: مستحب اور افضل یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنا چاہے وتر سے پہلے پڑھ لے، اور وتر آخر میں پڑھے، اس کے بعد نوافل نہ پڑھے، اگر پڑھ لے تو مباح ہے، مگر نہ دور رکعات کی تخصیص ہے، اور نہ ہی ان نوافل کا وتر کے ساتھ کوئی تعلق ہے، بلکہ عام اوقات مباح کی طرح جتنے نوافل چاہے پڑھے۔

(حسن التناوی: ۳/۵۰۶)

چہاں تک وتر کے بعد بیٹھ کر پڑھنے کا تعلق ہے تو آنحضرت ﷺ نے اس طرح کیا تھا، اس لیے آپ کی اتباع کرتے ہوئے ایسا کر سکتا ہے، لیکن خیال رہے کہ کئی احادیث میں صراحت ہے کہ نوافل بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی وغیرہ) اور آنحضرت ﷺ کو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی پورا ثواب ملتا تھا، یعنی اس معاملہ میں آپ کے لیے الگ اور خصوصی اجازت تھی، اس کی صراحت موجود ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مردی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے عرض کیا: آپ نے بیان فرمایا تھا کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے کے مقابلہ آدھا ثواب ملتا ہے، اور آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں، لیکن میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ (مسلم، نسائی)

نوافل کے بعض اہم مسائل

۱۔ جس نفل نماز کو شروع کر دیا ہواں کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے، لہذا اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو اب اس کی قضاۓ کرنی ہوگی، لیکن قضاۓ صرف دور رکعت کی کرنی ہوگی، اگرچہ چار رکعات کی نیت باندھی ہو، اسی طرح اگر عورت نے نماز شروع کی، اور اسی درمیان اسے حیض آگیا تو نماز سے باہر کل آئے، اور حیض سے پاک ہونے کے بعد دور رکعات کی قضاۓ کرے، اسی طرح اوقات مکروہہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، کسی نے شروع کر دیا تو اس کو چاہیے کہ توڑ دے، بعد میں قضاۓ کر لے، پھر بھی اگر پوری کر لے تو گناہ ہو گا لیکن کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔

(شامی: ۱/۵۰۹-۵۱۱)

اس کی بہر حال ایک دلیل موجود ہے۔

عشاء سے پڑھنے

عشاء سے پہلے بھی چار رکعات یا دور رکعات پڑھنا سنت غیر مؤکدہ ہے۔ (شامی: ۱/۲۹۸)

دور رکعات کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہر اذان واقامت کے درمیان نماز ہے، اور تیسری بار فرمایا: جو چاہے۔ (بخاری و مسلم)

اور ابن حبان و مسلم نے فرمایا: ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعات مشرع ہیں، جہاں تک عشاء سے پہلے چار رکعات سنتوں کا تعلق ہے تو اس کا ذکر احادیث میں نہیں ہے، ظہر پر قیاس کر کے چار رکعات کی بات کمی گئی ہے۔ (بدائع: ۱/۲۳۸)

عشاء کے بعد

عشاء کے فرض کے بعد دور رکعات سنت مؤکدہ ہے جس کا ذکر ہم کرچکے ہیں، ان دور رکعات کے بعد چار رکعات سنت غیر مؤکدہ ہیں، اس طرح یہ چھور رکعات ہو جائیں گی، اور اگر کوئی چاہے تو دور رکعات مؤکدہ کو بھی چار نہیں شمار کرے تو اس طرح چار رکعات ہو جائے گی۔ (شامی: ۱/۲۹۸)

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بھی عشاء پڑھ کر میرے پاس آتے تھے تو چار رکعات یا چھور رکعات پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

وقت کے بعد

وتر کی نماز کے بعد عام معمول یہ ہے کہ لوگ دور رکعت نفل پڑھتے ہیں، فقہ و فتاوی کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا، البتہ بعض احادیث میں ان کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ حضرت ابو سلمہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ سے نبی کریم ﷺ کی نمازوں کے بارے میں پوچھا: تو حضرت عائشہ نے فرمایا: آپ ﷺ آٹھ رکعات پڑھتے تھے، پھر جب رکوع کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے تھے، پھر مجرمی اذان اور اقامت کے دوران دور رکعت (سنت مجرم) پڑھتے تھے۔ (مسلم)

ترمذی میں حضرت ام سلمہ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

لیکن مسلم شریف ہی میں یہ روایت بھی ہے کہ رات کی آخری

باقیہ: باعث خیر و برکت نکاح

(اللہ کی نافرمانی سے بچو جس کے نام پر سوال کرتے ہو اور
قربات کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچتے رہا کرو)

رشتہ قربات میں آدمی کے لیے پورا آدمی بن جانے کے بعد اس کی بیوی بڑا اہم مقام رکھتی ہے، آدمی کو چاہیے کہ ہر طرح اپنی زوجہ کے لیے دین اور دنیا کی مسروتوں کا پورا خیال رکھے، حدیث شریف میں اچھا آدمی اسی کو کہا گیا ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے خوبی خیر ہو۔

شوہر کے لیے ضروری ہے کہ اپنی بیوی کی زینت و آرائش کا زیور خود ہی بن کر دکھائے، اس کی دلچسپی میں تعاون کرے، گھر بیوکام میں جتنا بین سکے تعاون کرے، بیوی کو نوکر چاکر کی طرح نہیں بلکہ گھر کی ماکلہ اور خود اپنا آدھا ایمان تسلیم کرے۔

گھر میں رہتے وقت خود بھی اپنے آپ کو اچھے لباس میں بیوی کی توجہ کا مرکز ہنادے، جو لوگ باہر تو خوب بن سنو کر جاتے ہیں اور گھر پر پھٹی لگیاں اور میلی بیانان پہن کر رہتے ہیں، انہیں کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے اپنے لباس کا خیال ضرور رکھنا چاہیے، یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ بیوی جب باہر جائے تو بہترین لباس میں جائے اور گھر میں سر جھاڑ، منہ پھاڑ پیٹھی ہو، ایسی دہن کامیاب نکاح کا لطف حاصل نہیں کر سکتی، اسی طرح جو بھائی اپنے دوست احباب میں خوب بن سنو کر جائے اور گھر میں اپنی زوجہ کی کشش سے لاپرواہ ہو وہ بھی اس سمرت سے محروم رہے گا۔

بازار، سینما اور ناٹک میں دکھنے والی عورتیں اور مرد اپنی زینت و کشش میں بازاری حد تک آرائش کرتے ہیں، گھر بیوی زندگی والے جب ان دائروں میں اپنے جوڑے کا تصور کرتے ہیں تو انہیں بڑی مایوسی ہوتی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ گھر بیو فضلاً کو نہایت صاف ستری اور پاکیزہ رکھیں، پھر دیکھنے بازار کی زینت اور گھر کی زینت کا مقابلہ ہو تو سکون قلبی انشاء اللہ ہر مومن کے گھر میں ہو گا۔

حقیقی کشش طہارت، پاکیزگی، سترائی اور سلیقہ مندی میں پائی جاتی ہے، ملت کے بھائی بہنوں کا خیال اس طرف آئے تو انشاء اللہ گھر کو جنت بناتے دریں ہیں لگگی۔

۲- فرض کے بعد افضل یہ ہے کہ صرف اتنی دریتک بیٹھے جتنی دیہ میں "اللہم انت السلام و منك السلام تبارکت يا ذا الحلال والاكرام" پڑھ سکے، اس کے بعد والی سنتوں میں بلا وجہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے، چنانچہ مسلم اور ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے کہ آنحضرت ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم "اللہم انت السلام الخ" کے بعد بیٹھتے تھے، رہے وہ اوراد و وظائف جن کو فرض نمازوں کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے تو ان کو سنن و نوافل سے فارغ ہو کر پڑھے گا تو فرض کے بعد ہی پڑھنا مانا جائے گا، البتہ اگر کوئی فرض کے معا بعد اور اد پڑھے اور سنن و نوافل اس کے بعد پڑھے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی: ۳۹۱/۱)

۳- امام کے لیے بہتری ہے کہ اگر آسانی سے ہو سکے تو فرض پڑھنے کے بعد نوافل اس جگہ سے ہٹ کر پڑھے، اسی جگہ پڑھنا مکروہ ترزیبی ہے، الایہ کہ ازدحام کی وجہ سے ہٹنا مشکل ہو، جہاں تک مقتدی یا منفرد کا تعلق ہے تو یہ دونوں اسی جگہ نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن زیادہ بہتری ہے کہ وہ بھی جگہ بدلتیں، ابو داؤد کی ایک روایت میں امام کے لیے جگہ بدلنے کا ذکر آیا ہے، اور اس کی حکمت بظاہریہ ہے کہ بعد میں آنے والوں کو پڑھنے چل جائے کہ نماز ہو چکی ہے۔ (شامی: ۳۹۲/۱)

۴- ظہر اور جمعہ سے پہلے والی چار رکعتات سنت مولکہ فرائض سے مشابہ ہیں، چنانچہ پہلے قعدہ میں صرف التحیات پڑھے، اگر بھولے سے درود شریف پڑھ دیا تو سجدہ سہولازم ہو جائے گا، اسی طرح تیسری رکعت میں شاء نہیں پڑھنے گا، اس کے علاوہ باقیہ سنن و نوافل میں ہر دور رکعت مستقل حیثیت رکھتی ہیں، لہذا پہلے قاعدہ میں درود شریف پڑھنے سے نہ صرف یہ کہ سجدہ سہولازم نہیں بلکہ فقہاء نے پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے، اسی طرح ان نمازوں کی تیسری رکعت میں شاء پڑھ لینا بھی بہتر ہے۔ (شامی: ۵۰۰/۱)

۵- ہر طرح کی سنن و نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل قرار دیا گیا ہے، احادیث میں اسی کا حکم آیا ہے، لیکن آج کل خطروہ یہ ہوتا ہے کہ گھر میں کہیں چھوٹ ہی نہ جائیں، اس طرح کا خوف ہو تو پھر بہتری ہے کہ مسجد ہی میں پڑھ لیا جائے، اس عمومی حکم سے تراویح الگ ہے، چنانچہ اس کا مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے۔ (شامی: ۵۰۳/۱)

اللہ پر ایمان

محمد امغان بدایوی ندوی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِيمَانٌ بِضُعْفٍ وَسِتُّونَ شَعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ (صحیح مسلم: ۱۶۲)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ساتھ سے بھی زیادہ شعبے ہیں، ان میں سب سے افضل "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کا قائل ہوتا ہے۔

فائدہ:- "عقیدۃ توحید" دین اسلام کی بنیاد ہے، بھی وجہ ہے کہ کسی بھی صاحب ایمان کا ایمان اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتا جب تک کہ وہ دل سے رب العالمین وحدہ لا شریک له کی وحدانیت کو تسلیم نہ کرے اور زبان سے اس کا اقرار نہ کرے، یہ دین اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس کی تمام تعلیمات میں عقیدۃ توحید نہیں طور پر نظر آتا ہے، اور وہ عقیدۃ توحید کی صراحت اس طور پر بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مانے، اس پر ایمان رکھنے کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اس نے آسان وزمین کو بنایا، وہی تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے، بلکہ اس پر ایمان لانے کا مطلب پر بھی ہے کہ اس کے سوا اس کائنات کے نظام کو چلانے والا کوئی دوسرا نہیں، نہیں اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی ذات ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے، تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ وہ کی کی اولاد ہے، ازل سے ابد تک ہے، بے مثال و بے مثال ہے، آسان وزمین کی تخلیق کے بعد اس کے نظام کو چلانا بھی اسی کے اختیار میں ہے، روزی کامالک بھی وہی ہے، امراض سے شفاذینے والا بھی وہی ہے، موت و حیات کامالک بھی وہی ہے، مصیبتوں سے نجات دینے والا بھی وہی ہے، اس کے سوا ایسی کوئی ذات نہیں جو لائق عبادت ہو۔

دین اسلام میں اعمال کی قبولیت کا مدار اسی عقیدۃ توحید سے وابستہ ہے، اگر توحید کے اسی بنیادی عقیدہ میں کسی ہو تو پھر اچھے سے اچھے اعمال بھی آخرت میں کوئی فائدہ دینے والے نہیں، بھی وجہ ہے

کہ شریعت اسلامیہ میں عقیدۃ توحید کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، خود مذکورہ حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایمان کے تمام شعبوں میں سب سے زیادہ افضل کلمہ توحید کا قائل ہوتا ہے، اس کی وجہ بھی ہے کہ جب انسان کے دل میں کلمہ توحید کی حقیقت جاگزیں ہوگی، تبھی دیگر ایمانی اعمال کو سند قبول حاصل ہوگی، اور انسانی سماج میں اس کو اعلیٰ مقام بھی نصیب ہوگا، اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی ذات سے صحیح طور پر آشنا ہونے کے بعد دنیا کی تمام طاقتیں اور وسائل اس کی نگاہوں میں پیچ ہوں گے، اس کے پیش نظر اس مالک کا تصور ہوگا جو بادشاہوں کا بادشاہ اور زمین و آسمانوں کا مالک ہے، عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کلمہ توحید کی اسی حقیقت کا حصہ وافر نصیب ہوا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی نگاہوں میں اس وقت کی سپر پا اور طاقتیں بھی گردھیں، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا جھگ شاہی ایوانوں میں جا کر عقیدۃ توحید کی صدائگا تے تھے، بھی وجہ ہے کہ ایک محض جماعت کے ذریعہ مختصری مدت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے طول و عرض میں اشاعت دین کا کام لیا اور لوگوں کو راہ حق نصیب ہوئی، مگر افسوس کی بات ہے کہ آج جب کہ اسلام کو قریب ساڑھے چودہ سو سال ہو رہے ہیں، پوری دنیا میں کلمہ توحید کے قائلین موجود ہیں، دینی خدمات انجام دینے کی مختلف شکلوں کا سلسلہ بھی شاید اس سے کہیں بڑھا ہوا ہے جو عہد اول میں تھا، ان تمام چیزوں کے باوجود کلمہ کو جس سو سائیٰ میں زندگی گزارتے ہیں، اس سو سائیٰ تک کلمہ توحید کی حقیقی تصور یہ پیش کرنا تو دور کی بات۔ اس سلسلہ میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کو رفع کرنے سے بھی قاصر نظر آتے ہیں، جس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج عام طور پر کلمہ توحید کے ماننے والوں کے پاس اس کلمہ کی حقیقت نہیں، محسن اس کی صورت باقی رہ گئی ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام اہل ایمان کلمہ توحید کی ظاہری صورت کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقت اور اس کے مطالبات کو بھی اختیار کریں، اور اپنی زبان کے ساتھ اپنے اعمال سے بھی یہ گواہی دیں کہ کار ساز حقیقی وہی اللہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں سارا نظام کائنات ہے، وہ اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے، ظاہری طور پر نظر آنے والی طاقتور چیزیں بھی اسی کے زر نہیں ہیں۔

ہے نیز وہ مسلم ملک بھی ہے اس لیے ارakan کے مسلمانوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انھیں مغربی پاکستان کا حصہ بنادیا جائے، لیکن انگریزی حکام اور بری بدھ آڑے آئے اور کسی بھی صورت یہ ممکن ہوئے نہیں دیا، بلکہ برمائی آزادی کے بعد بدھستوں نے سب سے پہلی فرصت میں ارakan سے "مسلم مٹاؤ" پالیسی اختیار کی اور اس پر پختی سے عمل شروع کیا۔

ارakan کا علاقہ دیگر صوبوں کے مقابل زیادہ خوشحال تھا، خاص کر چاول کی پیداوار کی وجہ سے دیگر علاقوں پر اسے فوکیت حاصل تھی اس لیے بری حکومت ارakan کو آزاد چھوڑنے یا بلکہ دلیش میں شامل ہونے کے حق میں قطعی نہیں تھی، بلکہ اس نے یہ کوشش شروع کی کہ ارakan سے مسلمانوں کا صفائیا کر کے اسے پورے طور پر "بدھ علاقہ" بنالیا جائے، اس مقصد کے تحت ارakan کو آزادی کے پہلے سے ہی نشانہ بنایا جاتا رہا، اور آزادی کے بعد ان کا رواںیوں میں شدت پیدا ہو گئی، رفتہ رفتہ انھیں سرکاری نوکریوں سے پر طرف کیا گیا، ان کی جانداروں پر قبضہ کیا گیا، ان کے کاروبار پر قدغن لگایا گیا اور ان کی ترقی کے سمجھی راستوں کو مسدود کر دیا گیا۔

1941ء میں ارakan میں بدھستوں نے "تحاکن" نامی ایک شدت پسند تنظیم کی بنیاد ڈالی، اس کا شدت پسند لیڈر "اجوکھائیں" تھا، اس نے پہلے مقامی بدھستوں کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا، پھر انھیں اسلحے فراہم کیے، اور پھر اسی کے اشارہ پر 26 مارچ 1942ء کو ارakan کے ضلع رکھائیں میں بننے والے بے گناہ روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام کا آغاز ہوا، یہ سلسلہ تقریباً تین ہمینوں تک چلتا رہا، جس میں ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا، جبکہ کئی لاکھ مسلمان بے گھر و بے آسرہ ہو گئے۔

اس کے بعد 1950ء میں دوسری بار رکھائیں کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹی، اور بڑے پیانہ پروشنست و بربریت کا نیگا ناقچ ناچا گیا۔ گھروں کو جلایا گیا، عصتوں کوتارتار کیا گیا اور مردوں کو مختلف قسم کی ختم اذیتیں دے کر انھیں شہید کر دیا گیا۔

1962ء میں "جزل نے ون" (Nay Win) کے دور کا آغاز ہوا، اور پورا ملک فوجی اقتدار کے رحم و کرم پر آگیا، یہ مسلمانوں کی ابتلاء و آزمائش کی ایک نئی شروعات تھی جو پہلے سے کہیں زیادہ

اک مظلوم قوم ارakan کے مسلمان

محمد نصیس خاں ندوی

مشرقی ایشیا کے جنوب میں ڈھائی لاکھ مربع میل کے رقبے میں آباد ملک برما کہلاتا ہے، جس کی راجدھانی رنگون ہے، برما کا شمار دنیا کے غریب ترین ملکوں میں ہوتا ہے، 1996ء میں اس کا سرکاری نام تبدیل کر دیا گیا اور اب یہ ملک "میانمار" کے نام سے جانا جاتا ہے، ایک اندازہ کے مطابق اس ملک کی آبادی تقریباً 6 کروڑ ہے جن میں اکثریت "گوم بودھ" کے ماننے والے بدھستوں کی ہے، برما کی پوری آبادی 14 مختلف صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے، اور ان صوبوں میں ایک اہم ترین اور سب سے بڑا صوبہ "ارakan" ہے جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور اب اس صوبہ کا سرکاری نام "رکھائیں" ہے۔

کسی زمانہ میں ارakan مکمل طور پر آزاد ایک اسلامی ریاست تھی، لیکن اس کی اسلام پسندی بری بدھستوں کو بالکل گوارہ نہ تھی چنانچہ 1784ء میں برما کے راجا "بورا بارنی" نے ارakan پر حملہ کر دیا اس کی ایسٹ سے ایسٹ بجا دی، اور اسے اپنے ملک میں شامل کر لیا، یہی نقطہ آغاز تھا مسلمانوں کی مظلومی، بے بحی و درماندگی کا۔

1824ء میں برما انگریزوں کی غلامی میں چلا گیا، مسلمانوں نے اس غلامی کے خلاف آواز بلند کی جس کے نتیجے میں 1845ء میں "برما مسلم کانگریس" (BMC) کے نام سے مسلمانوں کی ایک پارٹی وجود میں آئی، اس پلیٹ فارم سے آزادی زبردست ہم چلانی کی تھی، اگرچہ 1955ء میں سرکاری طور پر مسلمانوں کی اس پارٹی کو ختم کر دیا گیا تاہم اس سے انکار نہیں کہ برما کی آزادی میں اس پارٹی نے ناقابل فراموش قربانیاں پیش کیں۔

سو سال سے زائد عرصہ تک پورا برما انگریزوں کا غلام تھا، بالآخر مسلمانوں اور بری پاشندوں کی قربانیوں اور کوششوں کے نتیجے میں 1948ء میں برما کو آزادی نصیب ہوئی، لیکن ساتھ ہی انگریزوں اور بدھستوں کی طبقہ بھگت سے برما کو "بودھ ریاست" "قرار دیدیا گیا۔ ارakan کا صوبہ بلکہ دلیش کے ساحلی شہر "چانگام" سے متصل

دکانوں کو لوٹ لیا گیا، لاشوں پر لاشیں بچھادی گئیں، اور اراکان کی سڑکیں خون مسلم سے سرخ ہو گئیں۔

15 مئی 2001ء کو بدھ سنوں نے ایک بار پھر مسلمانوں کو نشانہ بنایا، گیارہ مسجدیں مسماں کر دیں، چار سو سے زائد گھروں کو آگ لگادی، اور دوسرا فراڈ کو موت کے گھاث اتار دیا گیا، جن میں سے بیس افراد وہ تھے جو مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے، انھیں اس قدر پیٹا گیا کہ وہ جان کی بازی ہار گئے۔ بدھوں کا مطالباً تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں کو مسماں کر دیا جائے جسے حکومت نے سارے عالمی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے منظوری دیدی، جس کے نتیجہ میں متعدد مسجدیں زمیں بوس کر دی گئیں، بعض کو مقفل کر دیا گیا، مسلمان اپنے گھروں میں عبادت کرنے پر مجبور ہو گئے، اور ایک بڑی تعداد نے وہاں سے بھرت کر لی، آج لاکھوں کی تعداد میں بری مسلمان تھائی لینڈ اور بنگلہ دلیش کی سرحدوں پر خیموں میں زندگی گزار رہے ہیں۔

گذشتہ پینٹھ سالوں سے اراکان کے مسلمان ظلم کی اس چکی میں پس رہے ہیں، ان کے بچے ننگے بدن، ننگے پیر، پھٹے پرانے کپڑے پہنے قابل رحم حالت میں دکھائی دیتے ہیں، عورتیں مردوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتی ہیں، اور رہنے کے گھر بھی اجازہ ہیں۔ ایسے روح فرسا اور گھنین حالات میں خوش آئند باتیں یہ ہے کہ اراکان کے مسلمانوں نے اپنے دین و مذہب کا بھی سودا ٹھیں کیا، ایک بھی خبر ایسی موصول نہیں ہوئی کہ مسلمانوں نے اپنی جان و مال کے خوف سے اسلام کو چھوڑ کر بدھست نظام کو اختیار کیا ہو۔

جبکہ دوسری جانب قابل غور بات یہ ہے کہ بدھ سنوں کے مہاتما ”گوتم بدھ“ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ امن و شانتی کے پیام بر تھے، شدت پسندی سے بالکل دور تھے، گھر گھر بھیک مانگ کر نفس کشی کی تعلیم دیتے تھے، اور ان کی زندگی کا خلاصہ ہی بھائی چارہ و انسانی ہمدردی تھا، لیکن اس عظیم شخصیت کو ماننے والی یہ بدھست قوم آج اتنی جارحانہ اور شدت پسند کیوں ہو گئی؟ کس پلانک کے تحت بدھ سنوں کی ذہن سازی کی گئی اور کس طرح ان کے ذہنوں میں مسلم نفرت کے شیع بودیے گئے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے سیاسی و مذہبی عوامل کا نہ آج تک درست تجزیہ ہو سکا، اور نہ اس کے حل کی سنجیدہ کوشش ہی کی جاسکی!

گھنین اور سخت تھی، بر مالیں فوجی حکومت قائم ہو گئی، مسلمانوں کو باغی قوم قرار دے دیا گیا، انھیں فوج سے پوری طور پر باہر کر دیا گیا اور پھر مسجدوں و مدرسوں پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔

1967ء میں بری حکومت کے مختلف قسم کے اقتصادی قانون و ضابطے نافذ کیے، زمینیں، صنعتیں، اور نجی تجارت کو قومی تحریک میں لے لیا گیا، مارکٹیں اور دکانیں ختم کر دی گئیں، کسانوں سے جانور چھین لیے گئے، راشن کی زبردست قلت کی وجہ سے بھوک مری اعام ہوئی، اور صرف اراکان میں تقریباً 25 ہزار مسلمان بھوک کی شدت سے جاں بحق ہو گئے۔

مئی 1973ء میں بری فوج نے 28 بے گناہ مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا، اس کے بعد 2 دسمبر 1974ء میں بری فوج نے تقریباً 200 خاندانوں کوشتی میں بٹھا کر ایک جزیرہ پر چھوڑ دیا جہاں چند دنوں کی جنحہ دیکار کے بعد سب کے سب غرق ہو گئے۔

1978ء میں فوجی حکومت نے خونیں آپریشن کی شروعات کی اور ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کو موت کے گھاث اتار دیا گیا، کئی لاکھ اپنے گھروں سے بے دخل کر دیے گئے، 1982ء تک مسلمانوں کے قتل عام کا یہ سلسلہ جاری رہا، قریب ایک لاکھ پیس ہزار مسلمانوں کو بدھست کا بیرون بنا لیا گیا، جنہوں نے انکار کیا اُنھیں نقل مکانی پر مجبور کیا گیا، اس طرح قریب پانچ لاکھ مسلمانوں نے بھرت کی، اکثریت نے بنگلہ دلیش میں پناہ لی اور ایک بڑی تعداد نے مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر لی، جو لوگ بھرت نہ کر سکے ان کی ناکہ بندی شروع کر دی گئی، اسلامی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی، اوقاف کو چراگاہوں میں بدل دیا گیا، مدارس و مساجد پر قدغن لگادی گئی، مسلم بچوں کا سرکاری اسکولوں میں داخلہ منوع کر دیا گیا، ملازمت کے دروازے بند کر دیے گئے، شادی بیویاں کے سخت قوانین نافذ کیے گئے، بڑیکوں کے لیے 25 سال اور بڑوں کے لیے 30 سال کی شرط لگائی گئی نیز بچوں کی پیدائش کا بھی ضابطہ نافذ کیا گیا، اور پھر 1982ء میں اراکان کے مسلمانوں سے حق شہریت کو بھی چھین لیا گیا اور اس طرح وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی ہو کر رہ گئے۔

1991ء میں پھر مسلمانوں کو تختہ مشق بنا لیا گیا، متعدد مسجدوں کو نذر آتش کر دیا گیا، بے شمار قرآنی نسخوں پھاڑ کر آگ لگادی گئی،

خاک و خون کا منظر

ابوالعباس خان

سے بوجھل ہے، اور جس کی فضائیں ہر پہر عورتوں کی سکیاں گوئی ہیں، جہاں کے لوگ مر مر کر جی رہے ہیں اور جی جی کر رہے ہیں۔ آوازِ راں بوڑھی آنکھوں کو دیکھو جو بہتے بہتے خشک ہو چکی ہیں، ان ناتواں کا ندھوں کو دیکھو جو لالاش دھوتے دھوتے مفلوج ہو چکے ہیں، ان خمیدہ جسموں کو دیکھو جو بھاگتے بیچتے شل ہو چکے ہیں، ادا اس شہر خوشائش کو دیکھو جو جنت سے جہنم بن چکا ہے!

زمین کی پشت پر ہمیشہ اڑو ہوں نے پھنکاریں ماری ہیں، درندوں نے بحث بنائے ہیں، مگر اب تک ایسا سانپ اور اڑا دہا پیدا نہیں ہوا جیسا شام کے اقتدار پر پھنکار رہا ہے، اور نہ ایسی درندگی و بیہیت آج تک کسی کو حاصل ہوئی جیسی ابن الاسد کو حاصل ہے۔

آج دنیا بھر کی زمین پیاسی ہے، اس کو خون چاہیے، لیکن کس کا؟ مسلمانوں کا، عراق کی سر زمین کس کے خون سے سیراب ہے؟ مسلمانوں کے، پرماس کے خون سے رنگیں ہے؟ مسلمانوں کے، غزہ میں کس کی لاشیں تڑپ رہی ہیں؟ مسلمانوں کی، سر زمین مصر میں کس کا خون بہرہ رہا ہے؟ مسلمانوں کا۔ حلب کی زمین بھی پیاسی ہے، خون چاہتی ہے، کس کا؟ بے شک مسلمانوں کا! لیکن کیوں؟ مسلمان ہی کیوں؟

کیونکہ اے مسلمانوں اس سے ارزائی خون تمہارا ہے، سب سے سستی جانیں تمہاری ہیں، کیونکہ تم غافل ہو، تم پر دنیا کا جادو چل گیا ہے، تم نفس کے غلام ہو چکے ہو، تم گمراہی کے قبضہ میں آگئے ہو، تمہارا احساس مسلمانی فنا ہو گیا ہے، تمہاری اخوت دینی مٹ پھلی ہے، اور تم بھی قیصر و کسری کی طرح دولت کے پچاری اور حیات قافی کے حریص بن چکے ہو، اگر ایسا نہ ہوتا تو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایسا تھا کہ اس سے تمہارا وجود لرزائختا، تمہاری چیزوں سے دنیا دل جاتی، لیکن آہ! تمہاری غفلت سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی اچھبی کی بات نہ ہوئی، تمہاری نیند کی سلیکنی کے آگے پھروں کے بھی دل چھوٹ گئے، لیکن آہ! تم

بیدار نہ ہوئے۔ تم ایسے تو نہ تھے، تمہارے اسلاف تو ایسے نہ تھے؟ اے مسلمانوں یقین مانو! آج حلب لرز رہا ہے۔ کون ہے جو اس کو تھاے؟ حلب مضطرب ہے۔ کون کے جو اس کو تسلیم دے؟ حلب فریادی ہے۔ کون ہے جو اس کی فریاد ری کرے؟ حلب جل رہا ہے۔ کون ہے جو اس کی آگ بھائے؟ ہاں! حلب مٹ رہا ہے۔ کون ہے جو اس کو سنبھالا دے؟ الپس منکم رجل رشیدا!!

وہ کیا ہی کرب انگیز منظر تھا جب کربلا نے حلب میں ہزاروں بے دست دیا مسلمان برہنہ سر، برہنہ پا، خشم پر نم و بادل پر غم اپنے گھروں سے بے گھر ہو رہے تھے، زندگی سے مایوس زندگی کی تلاش میں نکل رہے تھے، عزتیں مٹ پھلی ہیں، دولت لٹ پھلی ہے، سہارے چمن پھلے ہیں، آنکھیں خشک، بب خاموش، مستقبل تاریک اپنے پلک رہے تھے، عورتیں سک رہی تھیں، مرد تڑپ رہے تھے اور بوڑھے..... اف! کیاروں فر سا منظر تھا، اسلام کے نام پر بنا ہوا ملک، اسلام ہی کو مٹانے پر تلا ہوا، مظلومی و بے کسی، لاچاری و بے بسی کا ایک دل دوز منظر!

یہ پرتا شیر منظر بھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ حلب کی خاموش فضائیں زنانے کی آواز گونج اٹھی، آسمان سے قبر بر سے لگا، گھن گرج کے ساتھ آتشی چہاز میزائل گراتے ہوئے گزر گئے، پوری فضا پے بارود کی چادر چھا گئی، اور پھر..... پھر بالکل ستائیا، گھری خاموشی، دور دور تک کوئی آواز نہیں، قدم جم سے گئے، سائیں ایک سی گنگیں، کائنات رک سی گئی، چند لمحوں کے لیے گردش لیل و نہار قدم سی گئی، ہواں قابو سے باہر تھے کہ لیکا یک زوردار چیزوں، آہوں اور سکیوں سے بارودی پر دہ چاک چاک ہو گیا، خاموش فضا تذاک سی ہو گئی، اف! خدا یا! کس قدر ہولناک منظر ہے؛ خاک و خون میں تڑپی ہوئی لاشیں، ہو کے فوارے، بکھرے ہوئے اعضا۔ اف! دیکھو! کسی کا بازو کٹا ہے، کسی کا سر پھٹا ہے، کسی کا دھڑ جدا ہے، کسی کی جان حلق میں پھنسی ہے، کسی کا خون نہیں قدم رہا، کسی کی سائیں نہیں رک رہی، کسی کا دو نہیں مٹ رہا، کسی کی جنگ نہیں نکل رہی! خاک و خون میں لپٹا ہوا یہ منظر کسی قیامت سے کم نہیں!

ہاں یہ حلب ہے! جہاں زندگی کی جگہ موت، عیش و سلامتی کی جگہ اضطراب، نغمہ و نشاط کی جگہ شور و ماتم، زمزمه سنجی کی جگہ نوحہ خوانی، آب زندگی کی جگہ بحر خونیں، بستیوں کی جگہ قبریں اور بازاروں کی جھیل پہل کی جگہ موت کا ناثرا!

ہاں ہاں! بھی حلب ہے! جسے ہم نے فراموش کر دیا ہے، ایک ایسی سر زمین جو خون مسلم سے رنگیں ہے، جس کا ماحول بچوں کی چیزوں

فتنوں کا ظہور

- ☆ جو شخص صحیح معنی میں مومن ہوگا وہ معاشرے میں چھوٹی چھوٹی بکریوں سے زیادہ بے وقت سمجھا جائے گا۔
- ☆ مسجد کی محرابیں زرکاری سے مزین ہوں گی، لیکن دل و پریان ہوں گے۔
- ☆ مرد مردوں سے جنسی خواہش پوری کریں گے اور عورتیں عورتوں سے۔
- ☆ مسجدوں کے احاطے بڑے بڑے اور منبر اونچے اونچے ہوں گے۔
- ☆ گانے بجانے کا دور دورہ ہوگا اور شرابیں پی جائیں گی۔
- ☆ عیب چینی کرنے والوں، چغلی کھانے والوں اور طعنہ بازوں کی بہتانات ہوگی۔
- ☆ لوگ نمازوں کو ضائع کریں گے اور امانتیں برپا دھوں گی
- ☆ سود خوری عام ہوگی اور جھوٹ کو حلال قرار دیا جائے گا۔
- ☆ لوگ انسان کی جان کی کوئی وقت نہ سمجھیں گے اور اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔
- ☆ انصاف کمزور ہو جائے گا اور ظلم کا دور دورہ ہوگا۔
- ☆ طلاق کی کثرت ہوگی، تاکہ انی اموات بڑھ جائیں گی۔
- ☆ لوگ ایک دوسرے پر جھوٹی تہمتیں بہت لگائیں گے۔
- ☆ جو لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن پھرتے تھے، وہ حکومتوں کے سربراہ بن جائیں گے۔
- یہ چند مثالیں ہیں ان پیشگوئی خبروں کی جو آنحضرت ﷺ نے فتنوں کے دور کے بارے میں چودہ سو سال پہلے پیان فرمائی ہیں، اور صدیوں سے احادیث کی کتابوں میں لکھی چلی آ رہی ہیں، میں نے یہ بتائیں حدیث کی صرف چند کتابوں سے اس وقت سرسری طور پر جمع کی ہیں، ورنہ اس قسم کی احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف فتنوں کے جو عمومی حالات احادیث میں بیان فرمائے ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے سے ایسا لگتا ہے جیسے آپ ﷺ آج کے ماحول کو واقعی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی تصویر پختہ رہے ہوں، ان کو غور سے پڑھنے، اور یہ دیکھنے کے لیے ہمارے گرد پیش کی تصویر ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فتنوں کے زمانے کے بارے میں بتایا ہے کہ:

- ☆ ”زمانہ جلدی گذرے گا“
- ☆ نیک عمل کی کمی ہو جائے گی۔
- ☆ دین سے ناداقیت کی پھیل جائے گی اور دین کا حقیقی علم اٹھ جائے گا۔
- ☆ بخل اور پیسے کی محبت عام ہوگی۔
- ☆ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگا۔
- ☆ خود قاتل کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے؟ نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا۔
- ☆ شراب کو شربت کہہ کر حلال کہا جائے گا، سود کو تجارت کہہ کر حلال کہا جائے گا، رشوت کو ہدیہ کہہ کر حلال کہا جائے گا۔
- ☆ زکوہ کو تجارت بنالیا جائے گا۔
- ☆ اولاد (کی خواہش کے بجائے اس) سے کراہیت ہوگی اور بارش سے ٹھنڈک کے بجائے گرمی کی تکلیف ہوگی اور بدکار سیالاب کی طرح پھیل جائیں گے۔
- ☆ جھوٹے کوچا کہا جائے گا اور سچے کو جھوٹا۔
- ☆ خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن بتایا جائے گا۔
- ☆ غیروں سے رشتہ جوڑا جائے گا۔
- ☆ ہر قبیلہ اور گروہ کی سربراہی اس کے منافقوں کے ہاتھ میں ہوگی۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

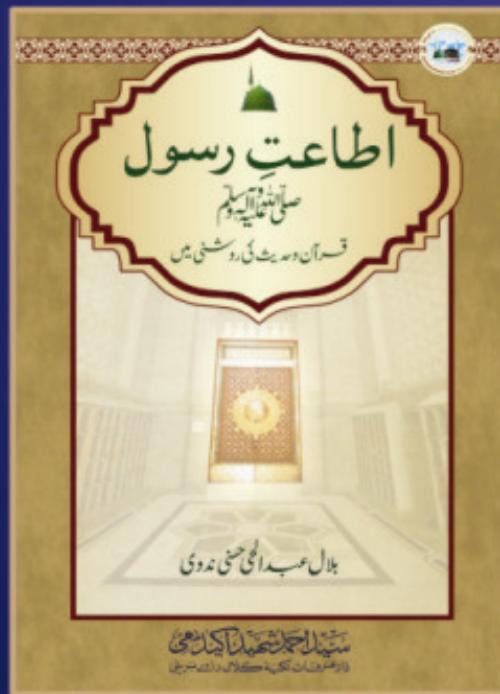
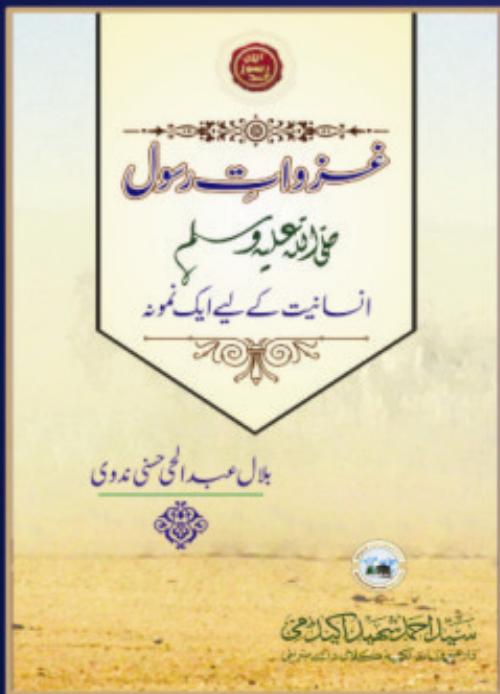
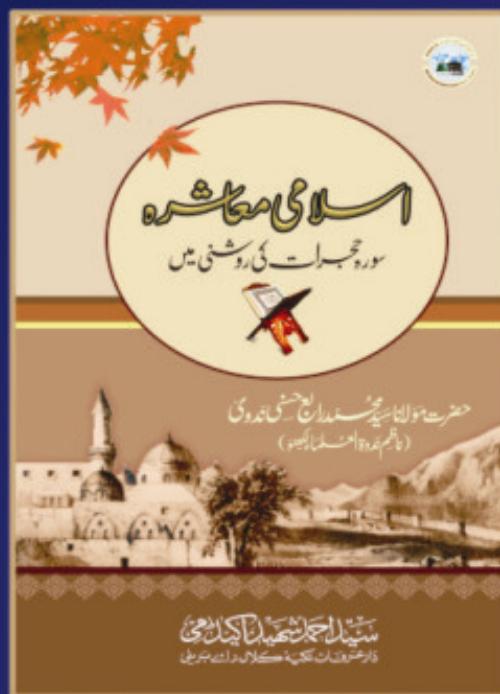
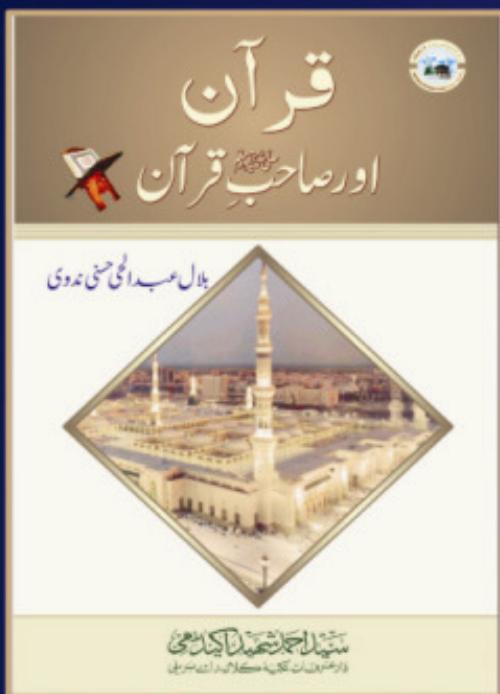
Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP-19

Volume: 09

JANUARY 2017

Issue: 01



Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi

MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI

E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.

Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)